عمیرہ احمد

آبِ حیات

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایر رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس سخصیں سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سرا مل جاتا ہے۔

لِ۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال

کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ نینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک صرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرا دی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کر رہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

5۔ وہ جیسے ہی گھر آیا۔ معمول کے مطابق اس کے دونوں بچے اپنا کھیل چھوڑ کر اس کے گلے آلگے۔ حسب معمول اس کی بیوی نے بھی جو تیسری بار امید سے تھی اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ وہ لان میں اپنی بیوی بچوں کو مطمئن و مسرور دیکھ کر سوچ رہا ہے کہ اگر وہ چند پیپر پھاڑ کر پھینک دے تو اس کی زندگی آئندہ بھی اسی طرح خوب صورت رہ سکتی ہے۔ مگر وہ ضروری فون آجاتا ہے۔ جس کا وہ انتظار کر رہا ہے۔ اب اسے اپنی فیملی اور استعفیٰ میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا۔

8۔ پریذیڈنٹ ایک انتہائی مشکل صورت حال سے دوچار تھا۔ اس کا فیصلہ کانگریس کے الیکشنز پر بری طرح اثر انداز ہو سکتا تھا۔ کیبنٹ کے چھ ممبرز کے ساتھ پانچ گھنٹے کی طویل نشست کے بعد اسے پندرہ منٹ کا وقفہ لینا پڑا تھا۔ فیصلے کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔ آخر کار وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

10۔ الزائمر کے مریض باپ کو وہ اپنے ہاتھوں سے یخنی پلا رہا تھا۔ اس کے انداز میں اپنے باپ کے لیے نہایت پیار' احترام اور تحمل ہے۔ اس کے باپ کو معلوم نہیں کہ وہ اس کے ہاتھ سے آخری بار کھانا کھا رہا ہے۔ اس کا سامان ایرپورٹ پر جاچکا ہے اور وہ گاڑی کا انتظار کر رہا ہے۔

Q۔ وہ نیلے رنگ کی شفاف جھیل پر اس کے ہمراہ ہے۔ خوب صورت حسین مناظر میں گھری جھیل میں وہ صندل کی لکڑی کی کشتی میں سوار ہے۔

K۔ وہ تیسری منزل پر بنے اپارٹمنٹ کے بیڈروم کی کھڑکی سے ٹیلی اسکوپ کی مدد سے ساٹھ فٹ کے فاصلے پر اس بینکوئٹ ہال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ ٹائم نو بج کر دو منٹ ہو رہے ہیں۔ پندرہ منٹ بعد وہ مہمان بینکوئٹ ہال میں داخل ہوگا۔ وہ ایک پروفیشنل شوٹر ہے۔ اسے مہمان کو نشانہ بنانے کے لیے ہائر کیا گیا ہے۔

3۔ وہ اس سے اصرار کر رہی ہے کہ نجومی کو ہاتھ دکھایا جائے۔ وہ مسلسل انکار کرتا ہے مگر اس کی خوشی کی خاطر مان لیتا ہے نجومی لڑکی کا ہاتھ دیکھ کر بتاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر شادی کی دو لکیریں ہیں۔ دوسری لکیر مضبوط اور خوشگوار شادی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ دونوں ساکت رہ جاتے ہیں۔

آدم و حوا

ایک خوب صورت اتفاق نے سالار اور امامہ کو یکجا کر دیا۔ اس نے امامہ کو سال بعد دیکھا تھا۔ ان کی ابتدائی زندگی کا پہلا اختلاف لائٹ پر ہوا۔ سالار کو لائٹ آن کر کے سونے کی عادت تھی جبکہ امامہ کو روشنی میں نیند نہیں آتی تھی۔ لیکن سالار نے امامہ کی بات مان لی۔ صبح وہ امامہ کو جگائے بغیر سحری کر کے نماز پڑھنے چلا جاتا ہے' امامہ سحری کے لیے اٹھتی ہے تو فرقان کے گھر سے کھانا آیا رکھا ہوتا ہے۔ امامہ اسے سالار کی بے اعتنائی سمجھتی ہے۔ سعیدہ اماں سے فون پر بات کرتے ہوئے وہ رو پڑتی ہے اور وجہ پوچھنے پر اس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ سالار کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ سعیدہ اماں کو سالار پر سخت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈاکٹر سبط علی کو بھی بتا دیتی ہیں کہ سالار نے امامہ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ سالار ڈاکٹر سبط علی کے گھر امامہ کا روکھا رویہ محسوس کرتا ہے سعیدہ اماں بھی سالار کے ساتھ ناراضی سے پیش آتی ہیں۔ پھر امامہ اس رات سعیدہ اماں کے ہی گھر رہ جاتی ہے۔ سالار کو اچھا نہیں لگتا مگر وہ منع نہیں کرتا۔ امامہ کو یہ بھی برا لگتا ہے کہ اس نے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔ اس کو سالار سے یہ بھی شکوہ ہوتا ہے کہ اس نے اسے منہ دکھائی نہیں دی۔ سالار اپنے باپ سکندر عثمان کو بتا دیتا ہے کہ اس کی شادی آمنہ نامی جس لڑکی سے ہوئی ہے وہ دراصل امامہ ہے۔ سکندر عثمان اور طیبہ سخت پریشان ہو جاتے ہیں۔ امامہ کو فرقان کے گھر روزانہ کھانا کھانے پر بھی اعتراض ہوتا ہے اور سالار کے سی فوڈ کھانے پر بھی۔ سکندر عثمان' طیبہ اور انیتا ان دونوں سے ملنے آتے ہیں اور امامہ سے بہت پیار سے ملتے ہیں۔ وہ سالار کا ولیمہ اسلام آباد میں کرنے کے بجائے اب لاہور میں کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ ڈاکٹر سبط امامہ سے سالار کے ناروا سلوک کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو وہ شرمندہ ہی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنی اس نے بنا ڈالی تھی۔ سالار' امامہ سے اسلام آباد چلنے کو کہتا ہے۔ تو امامہ خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر سبط' سالار کو سمجھاتے ہیں۔ وہ خاموشی سے سنتا ہے۔ وضاحت اور صفائی میں کچھ نہیں بولتا مگر ان کے گھر سے واپسی پر وہ امامہ سے ان شکایتوں کی وجہ پوچھتا ہے۔ وہ جواباً "روتے ہوئے وہی بتاتی ہے' جو سعیدہ اماں کو بتا چکی ہے۔ سالار کو اس کے آنسو تکلیف دیتے ہیں' پھر وہ اس سے معذرت کرتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ آئندہ جو بھی شکایت ہو' کسی اور سے نہ کرنا' ڈائریکٹ مجھے ہی بتانا' وہ اس کے ساتھ سعیدہ اماں کے گھر سے جہیز کا سامان لے کر آتا ہے' جو کچھ امامہ نے خود جمع کیا ہوتا ہے اور کچھ ڈاکٹر سبط نے اس کے لیے رکھا ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں گھٹیا رومانوی ناول دیکھ کر سالار کو کوفت

ہوتی ہے اور وہ انہیں تلف کرنے کا سوچتا ہے۔ مگر امامہ کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ سالار اپنے بینک میں امامہ کا اکاؤنٹ کھلوا کر تیس لاکھ روپے اس کا حق مہر جمع کرواتا ہے۔ وہ امامہ کو لے کر اسلام آباد جاتا ہے اور ایئرپورٹ پر اسے بتاتا ہے کہ سکندر عثمان نے منع کیا تھا۔ امامہ کو شدید غصہ آتا ہے۔ گھر پہنچنے پر سکندر عثمان اس سے شدید غصہ کرتے ہیں۔
سکندر عثمان سالار کی اسلام آباد آمد پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ امامہ کو اس گھر میں آکر شدید پریشانی ہوتی ہے۔ وہ نو سال بعد سالار کے گھر سے اپنے گھر کو دیکھتی ہے۔ دو دن رہ کر وہ واپس آجاتے ہیں۔ امامہ کہتی ہے کہ وہ اسلام آباد میں رہنا چاہتی ہے۔ سالار کی جانب یہاں ہے تو وہ مہینہ میں ایک دفعہ آجایا کرے۔ اس کی اس بات سے سالار کو دکھ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ کہتا ہے کہ اسے امریکہ چلے جانا ہے تو امامہ کہتی ہے کہ وہ دوسری شادی کرلے۔ یہ تجویز سالار کے لیے شاکنگ ہوئی ہے۔ وہ امامہ سے اس کی توقع نہیں کرتا تھا۔
سالار، امامہ کو کراچی لے کر جاتا ہے تو وہ انیتا کے گھر جاتی ہے۔ وہ سالار سے کہتی ہے کہ وہ بھی ایسا شاندار گھر چاہتی ہے جس میں سبزیوں کا فارم، فش فارم ہو اور وہ کم از کم ایک ایکڑ کا ہونا چاہیے۔ سالار حیران رہ گیا تھا۔ عید کے موقع پر اس کو میکے کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ سالار کے ساتھ ایک پارٹی میں شراب کی موجودگی پر اس کے دل میں سالار کے لیے بدگمانی آجاتی ہے۔ جس کو سالار دور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اب ان چیزوں سے بہت دور جاچکا ہے۔ سالار بینک میں کام کرتا ہے۔ امامہ اس سے سود کے مسئلہ پر بحث کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے سود حرام ہے۔
امامہ سالار کا خیال رکھتی ہے۔ اس کی سالار کے دل میں قدر تھی، لیکن وہ زبان سے اظہار نہیں کرتا۔ سالار البتہ جلال کے لیے اس کے دل میں جو نرم گوشہ ہے اس سے بری طرح ہرٹ ہوتا ہے۔
سالار اپنا پلاٹ بیچ کر تقریباً" ڈیڑھ کروڑ کی انگوٹھی خرید کر دیتا ہے۔ سکندر، عثمان کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں۔ "کہاں سے لی تھی یہ رنگ؟"

میں غارت گر (حصہ دوم)

چھٹی قسط

"کہاں سے لی تھی رنگ؟" بالآخر انہوں نے لمبی خاموشی کو توڑا۔
"Tiffany سے۔" انہیں ایسے ہی کسی نام کی توقع تھی۔
"ڈیزائن کرایا ہو گا؟" اس مالیت کی انگوٹھی نادر ہی ہو سکتی تھی۔
"جی 'Jewellery statement'۔"
اس نے Tiffany کی سب سے مہنگی رینج میں آنے والی جیولری کی کولیکشن کا نام لیا، وہ زندگی میں ہمیشہ قیمتی چیزیں خریدنے اور استعمال کرنے کا عادی تھا۔ سکندر یہ جانتے تھے، لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ انہیں اس کی اس عادت پر اعتراض ہوا تھا۔
"تو کوئی اس سے زیادہ مہنگی رنگ نہیں تھی؟ ابھی دوسرا پلاٹ پڑا تھا، چار ہیرے اور لگوا دیتے اس میں۔"
سکندر نے ٹیبل پر پڑے سگار کیس سے ایک سگار نکالتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا تھا۔ سالار کے دائیں گال میں ڈمپل پڑا۔ اس نے یقیناً "اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ سکندر کا خیال تھا، یہ مسکراہٹ شرمندگی کی تھی۔ ان کے پاؤں تلے سے یقیناً" زمین کھسک جاتی اگر انہیں یہ پتا چلتا کہ اس نے پہلے دونوں پلاٹس بیچ کر اسے ایک نیکلس دینے کا سوچا تھا، لیکن پھر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اسے ایک انگوٹھی دینے کا خیال آیا جو امامہ مستقل طور پر پہن سکتی تھی۔

سگار سلگائے، ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اب بھی اسی پر نظریں جمائے ہوئے تھے اور خود پر مسلسل جمی ان کی نظروں نے سالار کو گڑبڑانا شروع کر دیا تھا۔

"میں کتابوں میں جب رانجھا، فرہاد، رومیو، مجنوں وغیرہ کے بارے میں پڑھتا تھا تو میں سوچتا تھا کہ یہ ساری لفاظی ہے، کوئی مرد اتنا الو کا پٹھا نہیں ہو سکتا، لیکن تم نے یہ ثابت کیا ہے، مجھ پر کہ ہو سکتا ہے۔ کسی بھی زمانے میں کوئی بھی مرد کسی بھی عورت کے لیے عقل سے پیدل ہو سکتا ہے۔" سالار نے اس بے عزتی کو سر جھکائے شہد کے گھونٹ کی طرح پیا۔ اس کی اتنی بے عزتی کرنا تو سکندر کا حق تھا۔

"لیکن ان میں سے کسی کے باپ نے انہیں Yale میں پڑھانے کے بعد یہ سب کچھ کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا، اور ان میں سے ہر ایک محبوبہ کے لیے پاگل تھا۔ بیوی کے لیے تو صرف ایک شاہ جہاں نے پیسے لٹائے تھے، وہ بھی اس کے مرنے کے بعد۔ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" سکندر نے جیسے اسے شرم دلائی تھی۔

"میں نے دراصل امامہ کو ابھی تک شادی کا کوئی گفٹ نہیں دیا تھا۔" اس کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔

سکندر زندگی میں پہلی بار اس کی ڈھٹائی سے متاثر ہوئے تھے۔ انسان اگر ڈھیٹ ہو تو پھر اتنا ڈھیٹ ہو۔

"تو اپنے پیسوں سے اسے گفٹ دیتے۔" انہوں نے طنزیہ کہا تھا۔

"وہ بھی دے دیے ہیں اسے۔" اس نے طنز کا جواب سنجیدگی سے دے کر انہیں حیران کر دیا۔

وہ اس "بادشاہ" کی شکل دیکھ کر رہ گئے جو اپنی بیوی پر اپنی سلطنت لٹانے پر تلا ہوا تھا۔

اپنا سگار ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ ٹیبل پر کچھ آگے جھکے اور انہوں نے جیسے ایک ہمراز کی طرح اس سے کہا۔ "سالار! ایسا بھی کیا ہے امامہ میں کہ تم عقل سے پیدل ہو گئے ہو؟"

یہ طنز نہیں تھا، وہ واقعی جاننا چاہتے تھے۔

سالار نے چند لمحوں کے لیے سوچا پھر بے حد سادہ لہجے میں کہا۔

"بس، وہ اچھی لگتی ہے مجھے۔"

وہ اس وقت سکندر کو تیس سال کا مرد نہیں بلکہ تین سال کا ایک معصوم سا بچہ لگا تھا۔ جس کے لیے دنیا کی مہنگی ترین چیز کے حصول کی خواہش کی وجہ صرف اس کا "اچھا" لگنا تھا۔ اس اچھے لگنے میں سوپر لیٹو، کمپیریٹو، پازیٹو کوئی ڈگری نہیں ہوتی۔

ایک طویل سانس لیتے ہوئے وہ سیدھے ہو گئے۔ "اسے پتا ہے رنگ کی پرائس کا؟"

"نہیں۔"

سکندر کچھ اور حیران ہوئے۔ تو یہاں اپنی محبوبہ کو متاثر اور مرعوب کرنے کا کوئی جذبہ بھی کارفرما نہیں تھا۔

"آپ بھی ممی یا کسی دوسرے سے بات نہ کریں۔ میں نہیں چاہتا امامہ کو پتا چلے۔"

وہ اب ان سے کہہ رہا تھا۔ سکندر جواب دینے کے بجائے دوبارہ سگار کا کش لینے لگے۔

"باقی تیرہ لاکھ کا کیا کیا؟"

وہ اب کچھ اور "کارناموں" کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

"سات لاکھ تو امامہ کو حق مہر کا دیا۔ وہ ڈیو تھا۔" اس نے انہیں حق مہر کی اصل رقم بتائے بغیر کہا۔

"اور باقی چھ لاکھ میں نے کچھ خیراتی اداروں میں دے دیا، کیونکہ امامہ کی رنگ پر اتنے پیسے خرچ کیے تھے تو میں نے سوچا کچھ خیرات بھی کرنا چاہیے۔"

سکندر عثمان کا غصہ دھویں کے مرغولوں میں تحلیل ہو رہا تھا، غصے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اسے فیاضی کہتے،

بے وقوفی کہتے یا فضول خرچی، لیکن سامنے بیٹھی ہوئی اپنی اس اولاد کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ ذرا کچھ اور وسیع ہوا تھا۔ وہ اس کے کوڈ آف لائف کو نہ کبھی سمجھے تھے، نہ کبھی بدل سکے تھے، لیکن اختلاف رکھنے کے باوجود، کہیں نہ کہیں وہ احترام کا ایک احساس بھی رکھتے تھے اس کے لیے۔

سالار نے باپ کے ہونٹوں پر ایک مشفقانہ، لیکن بے حد معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوتے دیکھی۔

"اور حق مہر صرف سات لاکھ تو نہیں ہوگا... ہے نا سالار؟ تو وہ کتنے ملین دیا گیا ہے؟"

انہوں نے بے حد پچکارتی ہوئی آواز میں اس سے کہا۔

سالار بے اختیار ہنسا۔ سکندر عثمان اس کے سیدھے جملوں میں چھپے پھندوں کو ڈھونڈنے میں ماہر تھے۔

"جانے دیں پاپا۔" اس نے ٹالا تھا۔

"یعنی millions میں ہے؟" ان کا اندازہ ٹھیک تھا۔

"اب میں جاؤں؟" سالار نے جواب دینے کے بجائے پوچھا۔ سکندر نے سر ہلا دیا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کی طرف آیا اور اس نے جھکتے ہوئے کرسی پر بیٹھے سکندر کو ساتھ لگایا پھر وہ سیدھا ہو گیا۔

"سالار، جو دوسرا پلاٹ ہے، اس کے پیپرز مجھے لاہور پہنچ کر بھجوا دینا۔"

سکندر نے بڑے معمول کے لہجے میں اسے جاتے دیکھ کہ اس سے کہا تھا۔

"پاپا! ٹرسٹ می۔" سالار نے کہا۔

"شٹ اپ۔"

"او کے۔" وہ ہنس پڑا تھا۔

وہ سگار پیتے ہوئے اس کے جانے کے بعد بھی اسی کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼
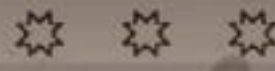
"Oh Tiffany Statement." وہ اس رات کسی ڈنر پر تھے، جب اس کی رنگ مسز زبیری نے نوٹس کی تھی۔

وہ بزنس کلاس کا ایک بڑا نام تھیں اور خود اپنے لباس اور جیولری کے لیے بھی بے حد شہرت رکھتی تھیں۔ ان کا کسی چیز کو نوٹس کرنا خاص اہمیت رکھتا تھا۔

"مائی ویڈنگ رنگ۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس رنگ کو بے حد مرعوب انداز میں دیکھ رہی تھیں اور ان کا یہ انداز، اس ٹیبل پر بیٹھی تمام خواتین میں اس رنگ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا کر رہا تھا۔

The most beautiful and expensive picec
of jewellary under this roof to night

(آج رات اس چھت کے نیچے یہ سب سے خوب صورت اور سب سے مہنگی جیولری ہے) مسز زبیری نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

Lucky woman your husband's taste is class a part

(لکی وومین! تمہارے شوہر کا ذوق بہت اعلا ہے)

امامہ ان ستائشی جملوں پر قدرے فخریہ انداز میں مسکرائی۔ وہ رنگ جب سے اس کے ہاتھ کی زینت بنی تھی اسی طرح نوٹس ہو رہی ہے۔

"کیا قیمت ہوگی؟" بائیں جانب بیٹھی مسز بیرنے بھی اس کی رنگ کو ستائشی انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پتا... شاید چار یا پانچ لاکھ۔" امامہ نے گلاس اٹھا کر پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے اندازہ لگایا۔

ایک لحہ کے لیے اس نے ٹیبل پر چھا جانے والی خاموشی کو محسوس کیا پھر خود پر جمی نظروں کو۔

"ڈالرز یا پاؤنڈز؟"

اس نے بے حد حیرانی سے مسز زویئرز کی شکل دیکھی' پھر ہنس پڑی۔ اس نے اسے مذاق سمجھا تھا۔

"میرا شوہر اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

مسز زویئرز نے دوبارہ یہ سوال نہیں کیا۔ وہ سمجھی تھیں' امامہ قیمت بتانا نہیں چاہتی۔

"سالار! اس رنگ کی کیا قیمت ہے؟" اس رات بیڈ پر بیٹھے ناول پڑھتے' امامہ کو یک دم مسز زویئرز کا سوال یاد آیا۔ اپنا ہاتھ سالار کے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے کہا۔

"کیوں؟" وہ بھی کوئی کتاب پڑھتے ہوئے چونکا تھا۔

"مسز زویئرز نے اور سب لوگوں نے بھی بہت تعریف کی۔" اس نے بے حد فخریہ انداز میں کہا۔

"ڈیٹس گڈ۔" وہ مسکرا کر دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مسز زویئرز نے قیمت پوچھی تھی میں نے کہا چار یا پانچ لاکھ ہو گی۔ انہوں نے پوچھا ڈالرز یا پاؤنڈز۔ میں نے کہا میرا شوہر اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔" وہ بے اختیار کتاب پر نظریں جمائے ہنس پڑا۔

"کیا ہوا؟" وہ چونکی۔

"کچھ نہیں... کچھ پڑھ رہا تھا۔" سالار نے بے ساختہ کہا۔

"تو کیا قیمت ہے اس کی؟" امامہ نے دوبارہ پوچھا۔

"یہ انمول ہے۔" سالار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"کوئی بھی چیز جو تمہارے ہاتھ میں ہو انمول ہے۔"

"پھر بھی..." اس نے اصرار کیا۔

"Two hundred and fifty six." سالار نے ڈالرز ساتھ نہیں لگایا۔

"اوہ اچھا' میں زیادہ ایکس پینسیو (مہنگی) سمجھ رہی تھی۔" وہ کچھ مطمئن ہو گئی اور دوبارہ ناول دیکھنے لگی۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسے فریب دینا' بہلانا' بے حد آسان تھا اور یہ آسانی بعض دفعہ اسے بڑی مشکل میں ڈال دیتی تھی۔ امامہ نے چند لمحے بعد اس کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ کتاب گود میں الٹائے' اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ مسکرا دی۔ وہ ان نظروں کی عادی تھی۔ وہ بعض دفعہ اسے اسی طرح بے مقصد دیکھتا رہتا تھا۔

"تمہیں کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا؟"

"You are the best thing ever happened to me"

وہ ایک لحہ کے لیے حیران ہوئی پھر ہنس پڑی۔ اس کمپلیمنٹ دینے کی اس وقت کیا وجہ تھی' وہ سمجھ نہیں پائی۔

"آئی لو یو۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ وہ اس بار بلش ہوئی تھی۔

"تھینک یو۔" جواب وہی تھا' جو ہمیشہ آتا تھا۔ اس بار وہ ہنس پڑا۔

☼ ☼ ☼
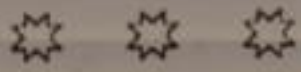
"امامہ..." وہ گاڑی کے دروازے کو بند کرتی' کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔
وہ جلال تھا' پارکنگ میں اس کے برابر والی گاڑی سے اسے نکلتے ہوئے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔
"اوہ مائی گاڈ!... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آج تم سے یہاں ملاقات ہو گی۔"
"ہاؤ آر یو۔" وہ بے حد ایکسایٹڈ انداز میں اس کی طرف آیا تھا۔
وہ بت بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ بعض چیزیں بلاؤں کی طرح انسان کے تعاقب میں رہتی ہیں۔ جہاں بھی ملتی ہیں' انسان کا خون خشک کر دیتی ہیں۔ گاڑی کی چابی مٹھی میں دبائے' وہ بھی زرد چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ اب بھی اس کا خون نچوڑ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔
"اگر نہیں ملے تو سالوں نہیں ملے اور اب ایک ہی سال میں دوبارہ ملاقات ہو رہی ہے۔"
وہ اس کی اڑی ہوئی رنگت پر غور کیے بغیر' بے تکلف دوستوں کی طرح کہہ رہا تھا۔
امامہ نے بالآخر مسکرانے کی کوشش کی۔ یہ ضروری تھا... بے حد ضروری تھا... جلال انصر سے زیادہ خود اس کے لیے... اسے نہ وہ "پرانا دوست" سمجھ سکتی تھی' نہ بے تکلف ہو سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے صرف ایک ہی رشتے اور تعلق کا خیال آیا... ایک ہی خیال آسکتا تھا اسے۔
"میں ٹھیک ہوں... آپ کیسے ہیں؟"
اس نے مسکرانے کی کوشش کی' نظریں تو وہ اب بھی اس سے نہیں ملا سکتی تھی۔ وہ ویسا ہی تھا' جیسا اس نے اس کے کلینک پر آخری ملاقات میں دیکھا تھا۔ وزن پہلے سے کچھ بڑھ گیا تھا اور ہیئر لائن کچھ اور پیچھے چلی گئی تھی' لیکن اپنی زندگی میں وہ اس کا جو امیج لیے بیٹھی تھی' اس کو ان دونوں چیزوں سے فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔
"میں تو بالکل ٹھیک ہوں... میں نے چند ماہ پہلے شادی کر لی ہے۔"
اس کی سمجھ میں نہیں آیا' اس نے اسے یہ خبر دینا کیوں ضروری سمجھا' کیا اس کا اس سے کوئی تعلق تھا؟ یا وہ اسے اس انفارمل چیٹ چیٹ سے پہلے ہی بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ "available" نہیں ہے۔ اس آخری ملاقات میں جو کچھ وہ اس سے کہہ چکا تھا اس کے بعد وہ دستیاب — ہوتا بھی تو کم از کم اتنی عزت نفس تو وہ رکھتی تھی یا وہ اسے "ضرورت مند" سمجھ رہا تھا اور سمجھ بھی رہا تھا تو کیا غلط کر رہا تھا۔ میری ہی غلطی تھی اگر یوں

بھیک لینے اس کے پاس نہ گئی ہوتی تو کم از کم اس کے سامنے سر تو اونچا رکھ سکتی تھی۔ وہ خود کو ملامت کرنے لگی تھی۔
اور اس کی خاموشی نے جلال کو کچھ اور محتاط کیا۔

"بہت اچھی ہے میری بیوی، وہ بھی ڈاکٹر ہے۔ برٹش نیشنل ہے، اسپیشلائزیشن بھی اس نے وہیں سے کی ہے۔ امیزنگ وومین۔" اس نے چار جملوں میں اس پر اپنی بیوی کی حیثیت واضح کردی تھی۔

ایک لمحے کے لیے وہ بھول گئی تھی کہ وہ بھی کسی کی بیوی ہے۔ اپنے پیروں کے نیچے زمین لیے کھڑی تھی۔ اس کے منہ سے کسی دوسری عورت کے لیے "میری بیوی" کے الفاظ نے چند لمحوں کے لیے اسے اسی طرح ادھیڑا تھا۔

"مبارک ہو۔" اس نے بالآخر وہ لفظ کہے، جو اسے کہنے چاہیے تھے۔

"تھینکس، میں تم کو ضرور بلاتا اگر میرے پاس تمہارا کانٹیکٹ نمبر ہوتا۔ پہلی بار تو نہیں بلا سکا تھا، لیکن دوسری بار تو بلا سکتا تھا۔" جلال نے بات کرتے کرتے جیسے مذاق کیا تھا۔ وہ مسکرا نہیں سکی۔ وہ کبھی اس کے اس مذاق پر مسکرا نہیں سکتی تھی۔

"تم نے تو اس کے بعد کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ کوئی فون، کوئی وزٹ، کچھ نہیں۔۔۔ میں تو انتظار ہی کرتا رہا۔" وہ اب اس کا جائزہ لے رہا تھا اور اسے اس میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی احساس ہوا تھا۔

یہ امامہ سات آٹھ ماہ پہلے والی امامہ سے بے حد مختلف تھی۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح ایک چادر میں ملبوس تھی، لیکن اس کی چادر اور لباس بے حد نفیس اور مہنگے تھے باوجود اس کے کہ وہ Casual Dress میں تھی۔ اس کے ہاتھوں اور کانوں میں پہنی ہوئی جیولری نے جلال کو ایک لمحہ کے لیے چونکایا تھا۔ اس کی ویڈنگ فنگر میں ایک رنگ تھی، لیکن یہ وہ وہم تھا جس کی وہ تصدیق نہیں چاہتا تھا۔ کیوں۔؟ پتا نہیں کیوں یہ وہ چہرہ نہیں تھا، جسے اس نے اپنے کلینک پر دیکھا تھا۔ میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ وہ امامہ اسے ڈری، سہمی، کنفیوزڈ اور بہت بجھی ہوئی لگی تھی۔ سامنے کھڑی امامہ کے چہرے پر بھی میک اپ نہیں تھا اور اس کے بال بھی بے حد عام انداز میں ڈھیلے جوڑے کی شکل میں لپٹے ہوئے اس کی گردن کی پشت پر نظر آرہے تھے۔ یوں جیسے وہ اتفاقاً" کسی کام سے گھر سے نکلی ہو۔ لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ اس کی باڈی لینگویج دس بارہ سال پہلے کی امامہ کی طرح تھی، وہ امامہ جس سے پہلی بار مل کر وہ اٹریکٹ ہوا تھا۔ کیئرلیس، بے نیاز، لیکن بے حد پُراعتماد اور پرسکون۔ ایک نظر میں ہی جلال کو احساس ہو گیا تھا کہ امامہ ہاشم بہت بدل چکی ہے، کیسے اور کیوں؟ اسے تھوڑی سی بے چینی ہوئی۔

اس کے عقب میں کھڑی اس قیمتی گاڑی کو بظاہر سرسری دیکھتے ہوئے، جلال نے اس سے پوچھا۔

"تم اب بھی اسی فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کرتی ہو؟" اس کا جی چاہا تھا کہ کاش اس میں آنے والی ساری تبدیلیاں کسی بونس، کسی ہینڈسم پے پیکیج کی مرہون منت ہوں۔ کمینی خواہش تھی، لیکن جلال انصر کی اس وقت یہی خواہش تھی۔ مرد کو اپنی متروکہ عورت کو Moved on دیکھ کر ہتک کا احساس ہوتا ہے اور وہ اس احساس سے بچنا چاہتا تھا۔

"نہیں، میں نے جاب چھوڑ دی تھی۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"اوہ! اچھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"تو تم کچھ نہیں کر رہیں آج کل؟"

امامہ چند لمحے خاموش رہی۔ اگلا جملہ کہنا مشکل تھا مگر بے حد ضروری تھا۔

"میری شادی ہو گئی ہے۔" وہ اب بھی یہ نہیں کہہ سکی کہ میں نے شادی کرلی۔ جلال کے چہرے سے ایک لمحہ

کے لیے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔
"اوہ! اچھا! کانگریچولیشنز۔" وہ بروقت سنبھلا تھا۔ امامہ نے اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ نوٹس نہیں کی۔
"تم نے بتایا ہی نہیں۔ نہ انوائٹ کیا۔ کیا کرتا ہے وہ؟"
"آپ جانتے ہیں اسے۔ سالار سکندر۔" اس نے گلا صاف کرکے کہا۔
"اوہ۔" ایک لمحے کے لیے جلال کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔
"وہ بینکر ہے' میں جانتا ہوں۔" جلال اس کی بات کاٹ کر اسے سالار کا بینک اور اس کی ڈیزگنیشن بتانے لگا۔
"آپ کو کیسے پتا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔
"آدھے شہر کو تمہارے شوہر کے بارے میں پتا ہوگا۔ بزنس کمیونٹی سے میرا کافی ملنا جلنا ہے' تو اس کے بارے میں پتا چلتا رہتا ہے۔ دو چار بار گیدرنگز میں دیکھا بھی ہے میں نے' لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔" وہ اب نارمل ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔
"آؤ لنچ کرتے ہیں۔ گپ شپ لگائیں گے' اتنے عرصے بعد ملے ہیں۔ بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" اس نے بے تکلفی اور گرم جوشی سے کہا۔
وہ شہر کے مصروف اور مہنگے ترین ڈاکٹرز میں سے ایک تھا۔ پرانی محبوبہ کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوتا' لیکن شہر کے سب سے زیادہ بااثر بینکر کی بیوی کے لیے وقت نکالنا مشکل نہیں تھا۔ امامہ ہاشم ایک دم اس کی سوشل نیٹ ورکنگ کے ایک مضبوط ترین امیدوار کے طور پر سامنے آگئی تھی۔
"نہیں' میں گروسری کے لیے آئی ہوں۔ ڈنر کے لیے کچھ چیزیں چاہیے تھیں مجھے۔"
امامہ نے اسے ٹالنا چاہا' اسے یقین تھا وہ اصرار نہیں کرے گا۔ جلال کے بارے میں اس کے اندازے آج بھی غلط تھے۔
"یار! گروسری بھی ہوجائے گی' میں خود کروادوں گا لیکن لنچ کے بعد۔ وہ سامنے ریسٹورنٹ ہے ایک گھنٹے میں فارغ ہوجائیں گے ہم۔" جلال نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔
"نہیں۔" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن جلال کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ باول نخواستہ اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں چلی آئی۔
"تو کیسی گزر رہی ہے تمہاری لائف اپنے شوہر کے ساتھ؟" مینیو آرڈر کرتے ہی جلال نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس سے پوچھا۔ امامہ نے اس کا چہرہ دیکھا' وہ صرف سوال نہیں تھا' جلال جیسے یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے یا نہیں۔
"بہت اچھی گزر رہی ہے' میں بہت خوش ہوں سالار کے ساتھ۔"
اسے حیرت ہوئی اس سوال کا جواب دینا کتنا آسان کردیا تھا سالار نے۔ کچھ کھوجنا' ٹٹولنا یا چھپانا نہیں پڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ "خوش" تھی۔
"گڈ' ارینج میرج تو نہیں ہوگی۔؟ سالار اور تم نے اپنی مرضی سے کی ہوگی۔" اس نے جلال کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ وہ اس سوال سے کیا جاننا چاہتا تھا؟
"ہاں! سالار نے اپنی مرضی سے مجھ سے شادی کی ہے۔ اس نے اپنی فیملی سے پوچھا نہیں تھا بلکہ بتایا تھا۔ سالار کا خیال تھا کہ مرد کو شادی کرتے وقت اپنی مرضی دیکھنی چاہیے' فیملی کی نہیں۔"
جلال کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور خود وہ بھی چند لمحے تک کوئی اگلا جملہ نہیں بول سکی۔ اس نے وہ آخری بات کس حوالے سے اور آخر کیوں کہی تھی' اس کی وجہ اس وقت وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ نہ اسے کوئی طعنہ

دینے آئی تھی، نہ گلہ کرنے، پھر ایسی بات؟

"بہت زیادہ انڈیپینڈنٹ سوچ رکھتا ہے وہ۔" اس نے چند لمحوں بعد جلال کو جیسے کچھ تاویل دینے کی کوشش کی۔ تاویل پچھلے جملے سے بھی زیادہ چبھی تھی۔

"ظاہر ہے، سالانہ لاکھوں کمانے والے شوہر کی تعریف بیوی پر فرض ہوتی ہے۔"

اس بار اس کا ہنس کر کہا ہوا جملہ امامہ کو چبھا تھا۔

"لاکھوں کا تو مجھے نہیں پتا لیکن اچھے شوہر کی تعریف بیوی پر فرض ہوتی ہے۔"

جلال نے اس کے جملے کو نظرانداز کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "تو پتا رکھا کرو نا اس کے لاکھوں کا۔ کیسی بیوی ہو تم۔؟ ڈیڑھ دو کروڑ تو بنا ہی لیتا ہوگا سال میں۔ بہت بڑے بڑے mergers کروا رہا ہے تمہارا شوہر، تمہیں بتاتا نہیں؟"

"نہیں، ہم اور چیزوں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔" "ضروری" چیزوں کے بارے میں۔"

اس کا لہجہ بے حد سادہ تھا لیکن جلال کے پیٹ میں گرہیں پڑی تھیں۔ اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔ بعض دفعہ ہنسی کی شدید ضرورت پڑ جاتی ہے۔

"چالاک مردوں کو ایسی ہی بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم لوگوں کی رہائش کہاں ہے؟"

اس نے جو تا مارا، پھر معصومیت سے سوال کیا۔

امامہ نے اس کے تبصرے پر کچھ کہنے کے بجائے اسے اپنا ایڈریس بتایا۔ وہ اس کے ساتھ سالار کو مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اوہ! اپارٹمنٹ۔ وہ بھی رینٹڈ۔ کوئی گھر لینا چاہیے تھا تم لوگوں کو۔ اگر تم لوگ انٹرسٹڈ ہو تو میرے دو تین گھر ہیں اچھے پوش ایریاز میں۔ تم لوگ رینٹ کرلو۔" جلال نے فیاضانہ آفر کی۔

"نہیں، نہیں، ضرورت نہیں ہے۔ ہم کمفرٹیبل ہیں وہاں۔" امامہ نے کہا۔

وہ اب اسے اپنے گھر کی تفصیلات بتانے لگا۔ اس کا رقبہ، اس کا نقشہ اور دنیا جہاں کا وہ سامان جو اس نے اپنے گھر کے اندر اکٹھا کیا تھا۔

"تم سالار کے ساتھ آؤ نا کسی دن کھانے پر۔" بات کرتے کرتے اس نے یوں کہا کہ جیسے وہ واقعی صرف "دوست" ہی تھے، اور دوست ہی "رہے" تھے۔ وہ بول نہیں سکی، اگر وہ بے حس تھا تو بہت ہی زیادہ تھا، اگر ظالم تھا تو انتہا کا تھا۔

"اوہ، جلال صاحب۔ دیکھیں! کہاں ملاقات ہو رہی ہے۔"

وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جو ریسٹورنٹ کے اندر اپنی بیوی کے ساتھ ان کی ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے جلال سے ملنے لگا۔ امامہ چونک کر اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ بھابھی ہیں؟" وہ آدمی اب جلال سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں، یہ میری ایک پرانی دوست ہیں۔" جلال نے فوراً" سے بیشتر کہا۔

امامہ نے اس آدمی کی آنکھوں میں عزت کا ایک تاثر آتے اور پھر جلال کے تعارف پر اسے غائب ہوتے دیکھا۔ ایک رسمی ہیلو کے بعد وہ آدمی دوبارہ جلال سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے امامہ کی طرف دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی، وہ بے چین ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ جلال کے اس ادھورے تعارف سے کیا سمجھے ہوں گے۔ جلال کی کوئی گرل فرینڈ۔ کوئی ٹائم پاس۔ کوئی ڈیٹ۔ یا پھر اس کے اسپتال میں کام کرنے والی کوئی ڈاکٹر یا نرس جسے جلال وقت گزاری کے لیے لنچ پر وہاں لے آیا تھا۔

"جلال! میں اب چلتی ہوں۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔"
اسے پتا نہیں اچانک کیا ہوا تھا' وہ اپنا بیگ اٹھا کر یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ جلال کے ساتھ وہ کپل بھی چونکا۔
"نہیں' کھانا آنے والا ہے' کھا کر نکلتے ہیں۔" جلال نے کہا۔
"نہیں' مجھے گروسری کرکے پھر کوکنگ بھی کرنی ہے اور میرے شوہر کو تو گھر آتے ہی کھانا تیار ملنا چاہیے۔ آج ویسے بھی اس نے کچھ خاص ڈشز کہی ہیں۔"
مسٹر اور مسز فاروق نے اس بار مسکرا کر اسے دیکھا تھا' وہ بھی جواباً" مسکرائی تھی۔ اس نے "شوہر" کا لفظ کیوں استعمال کیا تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ شاید اس کپل کی آنکھوں میں عزت کی اس نظر کو دوبارہ دیکھنے کے لیے' جو چند لمحے پہلے جلال کی بیوی سمجھنے پر ان کی آنکھوں میں جھلکی تھی۔ اس کا انداز اتنا حتمی تھا کہ جلال اس بار اس سے اصرار نہیں کر سکا۔
"اچھا' سالار کا کوئی وزیٹنگ کارڈ اور اپنا کانٹیکٹ نمبر تو دے دو۔" اس نے امامہ سے کہا۔ اس کے بیگ میں سالار کے چند کارڈز تھے' اس نے ایک کارڈ نکال کر جلال کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔
"اپنا فون نمبر بھی لکھ دو۔"
وہ ایک لمحہ کے لیے ہچکچائی پھر اس نے اسی کارڈ کی پشت پر اپنا سیل فون نمبر لکھ دیا۔
جلال کے پاس کھڑا آدمی تب تک اس کارڈ پر نام پڑھ چکا تھا۔
"وہ! آپ سالار سکندر کی بیوی ہیں؟" وہ اس کے سوال پر بری طرح چونکی۔
"فاروق صاحب بھی بینکر ہیں' سالار کو جانتے ہوں گے۔" جلال نے فوراً" سے پیشتر کہا۔
"بہت اچھی طرح سے۔" اس آدمی کا انداز اب مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ وہ ایک مقامی انویسٹمنٹ بینک کے ایگزیکٹیوز میں سے تھا۔ اس نے امامہ کو اپنی بیوی سے متعارف کروایا۔
"آپ کے شوہر بہت بریلینٹ بینکر ہیں۔"
وہ مسز فاروق سے ابھی ہاتھ ملا رہی تھی' جب فاروق نے سالار کے لیے ستائشی کلمات ادا کیے۔
"ہمیں انوائٹ کیا تھا' اس نے کچھ ماہ پہلے ویڈنگ ریسیپشن پر' لیکن ہم امریکہ میں تھے۔" مسز فاروق اب بڑی گرم جوشی سے کہہ رہی تھیں اور امامہ کی جان پر بن آئی تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ سالار کے کتنے قریب تھے یا صرف سوشل سرکل کا حصہ تھے۔
جو کچھ بھی تھا' وہاں جلال کے پاس بیٹھ کر اپنے شوہر کے کسی شناسا سے ملنا' اس کی زندگی کے سب سے ایمبیرسنگ لمحات میں سے ایک تھا۔
"بہت کلوز فرینڈشپ ہے امامہ اور سالار کے ساتھ میری' بلکہ فیملی ٹائیز ہیں۔ بس درمیان میں کچھ عرصہ آؤٹ آف ٹچ رہے ہیں ہم۔ دس بارہ سال تو ہو گئے ہوں گے ہماری فرینڈشپ کو' امامہ؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا' وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے کچھ حیرانی سے جلال کو دیکھا۔
"ویری نائس۔ آپ سالار کے ساتھ آئیں کسی دن ہماری طرف۔" فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"شیور۔ بس' سالار کچھ مصروف ہے آج کل۔" امامہ نے قدرے گڑبڑا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد وہ انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے نکل آئی تھی' لیکن وہ بے حد اپ سیٹ تھی۔ وقت ایک بار پھر گیارہ سال پیچھے چلا گیا تھا' اسی میڈیکل کالج میں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا پھر کئی سال کے بعد جلال کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات اور پھر آج اس کا سامنا۔
وہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں کیا خریدنے آئی تھی بھول گئی تھی۔ وہ ٹرالی لیے ایک شیلف سے دوسرے شیلف کو

دیکھتے گزرتی رہی، پھر خالی ٹرالی پر نظر پڑنے پر اس نے ہڑبڑاہٹ میں سوچا کہ وہ کیا خریدنے آئی تھی، لیکن ذہن کی اسکرین پر کچھ بھی نمودار نہیں ہوا تھا۔ اس نے بے مقصد چند چیزیں اٹھائیں اور پھر باہر آگئی۔ جلال کی گاڑی اب وہاں نہیں تھی۔ اس کی گاڑی کے برابر والی جگہ خالی تھی۔ معلوم نہیں اسے کیوں یہ توقع تھی کہ وہ ریسٹورنٹ سے باہر آکر، اس کے لیے وہاں بیٹھا ہوگا۔ کم از کم اتنا انتظار تو کرتا کہ اسے خود رخصت کرتا۔ اسے خوش فہمی نہیں رہی تھی پھر بھی اسے اتنی کرٹسی کی تو اس سے توقع تھی۔

پارکنگ سے گاڑی نکالنے کے بعد اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ گھر نہیں جانا چاہتی، پھر اسے وہ ساری چیزیں یاد آنے لگیں، جنہیں وہ خریدنے کے لیے آئی تھی لیکن اب وہ دوبارہ کہیں گروسری کے لیے جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ بے مقصد دوپہر میں سڑک پر ڈرائیو کرتے ہوئے، اسے خود اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ اس کا خیال تھا اس نے کچھ غلط ٹرن لیے تھے اور وہ راستہ بھول گئی ہے۔ بہت دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ لاشعوری طور پر اس روڈ پر جا رہی تھی، جس طرف سالار کا آفس تھا۔ یہ بے حد احمقانہ حرکت تھی۔ وہ مال روڈ پر تھی اور اب ون وے کی وجہ سے واپس نہیں پلٹ سکتی تھی۔ جب تک وہ یوٹرن لیتی، تب تک وہ اس کے آفس کو کراس کر چکی ہوتی۔ ایک سگنل پر ایک لمبے چوڑے ٹریفک جام میں پھنسے، اسے وہ سڑک اور اپنی زندگی ایک جتنا لمبے لگے تھے، وہ ڈیڑھ گھنٹے پہلے سالار کے ساتھ خوش تھی، لیکن اب وہ خوش نہیں تھی۔

اے سی کی کولنگ یک دم خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے اے سی بند کر دیا، وہ کچھ دیر اپنی زندگی میں "گرمی" ہی چاہتی تھی۔ جلال انصر جیسے اس کے جسم کا وہ زخم تھا جو ہر بار ہاتھ لگنے سے رسنے لگتا تھا اور ہر بار ہی اس کا یہ وہم باطل ہو جاتا تھا کہ وہ "زخم" بھر گیا ہے۔

گاڑی بند ہو گئی اور سگنل کھل گیا تھا۔ بے تحاشہ ہارن کی آوازوں پر اس نے چونک کر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی۔ وہ ناکام رہی اور بری طرح نروس ہوئی۔ گاڑی کوشش کے باوجود اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ایکسپرٹ ڈرائیور نہیں تھی اور اپنے پیچھے گاڑیوں کی لمبی قطار کے ہارن کسی بھی ایکسپرٹ ڈرائیو کو اسی طرح بوکھلا دیتے۔ ایک ٹریفک وارڈن اس کے قریب آگیا۔

"گاڑی خراب ہو گئی ہے، اسٹارٹ نہیں ہو رہی۔" امامہ نے اس سے کہا۔

"پھر لفٹر سے اسے ہٹانا پڑے گا، ورنہ ٹریفک جام ہو جائے گا۔" اس نے اسے بتایا۔

سگنل تب تک دوبارہ بند ہو چکا تھا۔ وہ وائرلیس پر لفٹر کو بلانے لگا اور وہ بے حد ہڑبڑائے ہوئے انداز میں گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگی، وہ ناکام رہی تھی۔ لفٹر آنے پر وہ گاڑی سے باہر نکل آئی۔ لفٹر میں بیٹھا آدمی اس کو قریبی پارکنگ میں پہنچانے کے بارے میں اسے بتاتے ہوئے کسی رکشہ یا ٹیکسی میں اسے وہاں تک جانے کا کہہ کر غائب ہو گیا۔ مال روڈ پر اس ٹریفک کے درمیان اسے کوئی رکشہ یا ٹیکسی نہیں مل سکتی تھی۔ ہاں، واحد کام جو وہ کر سکتی تھی، وہ سڑک کراس کر کے کچھ فاصلے پر سالار کے آفس تک جانا تھا۔ اسی خالی الذہنی کے عالم میں مال روڈ عبور کر کے اس نے سیل نکال کر سالار کو فون کرنا شروع کر دیا۔ سالار کا فون آف تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اس کے آفس ہی جانا تھا۔ چند منٹ اور چلنے کے بعد اس کے جوتے کا اسٹرپ نکل گیا۔ آج برا دن نہیں تھا بلکہ بدترین دن تھا۔ پسینے سے شرابور ٹوٹے ہوئے جوتے کے ساتھ وہاں کھڑے اس نے ایک بار پھر کسی رکشہ یا ٹیکسی کو ڈھونڈا۔ وہ اس ٹوٹے ہوئے جوتے کے ساتھ اس کے آفس نہیں جانا چاہتی تھی، لیکن فی الحال اسے اس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آیا تھا۔ اسے اپنی حالت پر رونا آنے لگا تھا لیکن اس رونے کا تعلق اس کی اس حالت سے زیادہ اس کی ذہنی کیفیت سے تھا۔ وہ اس وقت کچھ ایسی ہی دلبرداشتہ تھی۔

اس کے بینک کی اس شاندار عمارت کے سامنے جوتا گھسیٹتے، وہ ایک لمحہ کے لیے ہچکچائی لیکن پھر اس کے ذہن

میں آیا کہ وہ سیدھی اس کے آفس چلی جائے۔
گارڈز کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس نے ان کی آنکھوں میں اتنی حیرانی اور بے یقینی دیکھی تھی کہ اس کی عزت نفس میں کچھ اور کمی آئی تھی، لیکن مین ریسپشن میں داخل ہوتے ہی اس کی عزت نفس مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ شاندار انٹیریئر والا وسیع و عریض ماربلڈ ہال اس وقت سوٹڈ بوٹڈ کورپوریٹ کلائنٹس سے بھرا ہوا تھا۔ آفس کا یہ لے آؤٹ کبھی اس کے تصور میں آجاتا تو وہ وہاں کبھی نہ آتی لیکن اب وہ آچکی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چپل فرش پر گھسیٹتے ہوئے اسے اپنا آپ واقعی معذور لگ رہا تھا۔ ریسپشن کاؤنٹر پر اس نے سالار سکندر سے اپنا رشتہ ظاہر کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔
"مجھے سالار سکندر سے ملنا ہے۔"
اس نے ریسپشنسٹ سے پوچھنے پر کہا۔ پہلے اگر پسینہ تپتی دھوپ کی وجہ سے آرہا تھا تو اب یہاں اس ماحول کی وجہ سے اسے ٹھنڈا پسینہ آرہا تھا۔
"کیا آپ نے اپائنٹمنٹ لیا ہے میڈم!"
ریسپشنسٹ نے بے حد پروفیشنل انداز میں مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ اس کا ذہن ایک لمحہ کے لیے بلینک ہو گیا۔
"اپائنٹمنٹ۔" وہ حیران ہوئی تھی۔ اس نے جواب دینے کے بجائے ہاتھ میں پکڑے سیل پر ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کیا۔ اس بار کال ریسیو نہیں ہوئی تھی لیکن بیل بجی تھی۔
"نہیں اس کی دوست ہوں۔" اس نے کال ختم کرتے ہوئے بے ربطی سے کہا۔
"ابھی وہ ایک میٹنگ میں ہیں' انہیں تھوڑی دیر میں انفارم کر دیتی ہوں۔ آپ کا نام؟"
ریسپشنسٹ نے کہا۔
"امامہ۔" وہ اپنا نام بتا کر ہال میں پڑے صوفوں میں سے ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔
اسے تقریباً" پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے' ہوئے آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے اسے یہ لمحے بہت طویل لگے تھے۔
پندرہ منٹ بعد اس نے چند افراد کے ساتھ سالار کو بات چیت کرتے ریسپشن پہ نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھا اور ادھر ادھر نظر دوڑائے بغیر' وہ ان لوگوں کے ہمراہ ریسپشن کی انٹرنس تک گیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے امامہ کو خدشہ ہوا کہ وہ کہیں ان کے ساتھ باہر نہ نکل جائے' لیکن وہ دروازے سے کچھ پہلے ان لوگوں سے ہاتھ ملانے لگا تھا۔ وہ یقیناً" انہیں چھوڑنے کے لیے وہاں آیا تھا۔
چند منٹ دروازے پر ان لوگوں کے ساتھ بات کرنے کے بعد وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دوبارہ واپس جانے لگا' ریسپشنسٹ نے اسے روکا۔ اس نے یقیناً" دور صوفے سے کھڑی ہوتی امامہ کو دیکھ لیا تھا ورنہ وہ سالار کو کبھی وہاں روک کر اس کے کسی وزیٹر کے بارے میں انفارم نہ کرتی۔ امامہ نے سالار کو ریسپشنسٹ کی بات سنتے اور پھر ٹھٹکتے دیکھا' وہ اپنی ایڑیوں پر گھوم گیا تھا۔ وہ بہت فاصلے پر تھی' لیکن اتنے فاصلے پر نہیں تھی کہ وہ اسے دیکھ یا پہچان نہ پاتا۔ اسے سالار کے چہرے پر اتنی دور سے بھی حیرت نظر آئی' پھر وہ مسکرایا تھا۔ اس نے پلٹ کر ریسپشن سے یقیناً" اس کا تعارف کروایا' پھر وہ رکے بغیر اس کی طرف بڑھ آیا۔ اگر وہ اس سے گھر میں سامنا کر رہی ہوتی تو اس وقت وہ سالار سے لپٹ کر بچوں کی طرح رو رہی ہوتی' وہ کچھ ایسی ہی ذہنی حالت میں تھی لیکن وہ یہاں یہ نہیں کر سکتی تھی۔
"what a pleasant surprise"

اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھا۔
"میرا جوتا ٹوٹ گیا ہے۔" اس نے بے ربطی سے جواب دیا۔ اس نے سالار سے نظریں ملائے بغیر سر جھکائے ہوئے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی آنکھیں پڑھے کیونکہ وہ جانتی تھی' وہ اس کی آنکھوں کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ سکتا تھا۔
"سامنے سگنل پر میری گاڑی خراب ہو گئی۔ اور لفٹو اسے کہیں لے گیا ہے۔ اور یہاں تمہارا آفس تھا تو میں یہاں آگئی۔ لیکن شاید نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ تم مصروف ہو۔ بس تم مجھے گھر بھجوا دو۔" اس نے جواباً "ایک کے بعد ایک مسئلہ بتاتے ہوئے' اسے بے حد بے ڈھنگے انداز میں کہا۔
"نو پرابلم۔" سالار نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔
"سوری میم' آپ مجھے اپنا تعارف کرا دیتیں تو میں آپ کو آفس میں بٹھا دیتی۔"
ڈیسک پر بیٹھی لڑکی نے اس کے قریب آکر معذرت کی تھی۔
"اٹس او کے۔ کسی کو بھیج کر یہاں قریب کسی شو اسٹور سے اس سائز کا جوتا منگوائیں۔"
اس نے اس لڑکی سے کہا اور پھر اگلا جملہ امامہ سے کہا۔
"امامہ' یہ ٹوٹا ہوا جوتا اتار دو۔"
"اتار دوں؟" وہ ہچکچائی۔
"ہاں۔ کوئی حرج نہیں۔ میرے باتھ روم میں وضو کے لیے سلیپرز ہیں' وہ پہن کر پاؤں دھو لینا تب تک نیا جوتا آجائے گا تمہارے لیے۔ اور کس سگنل سے گاڑی لے کر گئے ہیں؟"
امامہ نے اسے اندازے سے بتایا۔
اس نے ڈیسک سے آنے والی لڑکی کو گاڑی کا نمبر بتاتے ہوئے کچھ ہدایات دیں۔ وہ تب تک ٹوٹے ہوئے جوتے سے اپنا پاؤں نکال چکی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے' وہ اسے وہاں سے لے آیا۔ اپنے ہاتھ پر اس کی گرفت سے امامہ نے محسوس کیا کہ اسے اس وقت اس سہارے کی بے حد ضرورت تھی۔ ایک پاؤں میں جوتا نہ ہونے کے باوجود' وہ بڑی سہولت سے چلتے ہوئے اس کے آفس میں آگئی تھی۔ وہ راستے میں ملنے والے افراد سے اسی ریلیکسڈ اور عام سے انداز میں اسے متعارف کرواتا کوریڈور سے اپنے آفس آگیا تھا۔
"ویسے تم اس طرف آ کیسے گئیں؟" اپنے آفس کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے امامہ سے پوچھا۔
"میں۔" اسے کوئی بہانہ یاد نہیں آیا۔ اس کا ذہن اس وقت کچھ اتنا ہی خالی ہو رہا تھا۔ سالار چند لمحے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے بات بدل دی۔
"تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔" اپنے ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے اس نے انٹر کام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے اس سے کہا۔
اس کے سائیڈ ڈیسک پر رکھی اپنی ایک فریمڈ تصویر سے نظریں ہٹاتے ہوئے' وہ کمرے کے ایک کونے میں پڑے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ وہ انٹر کام پر اس کے لیے کوئی جوس لانے کا کہہ رہا تھا' جب اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے اپنا سیل فون اٹھا کر کال ریسیو کی' چند لمحے وہ فون پر بات کرتا رہا پھر اس نے امامہ سے کہا "امامہ! تمہارا کریڈٹ کارڈ کہاں ہے؟"
وہ اس کے سوال پر چونک گئی۔ اس کے پاس ایک سپلیمنٹری کارڈ تھا۔
"میرے بیگ میں۔"
"ذرا چیک کرو۔" اس نے بیگ سے والٹ نکالا اور پھر باری باری اس کے تمام حصے چیک کیے۔ وہاں کارڈ نہیں

تھا۔ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"اس میں نہیں ہے۔" اس نے اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ سالار سے کہا۔

اس نے جواب دینے کے بجائے فون پر کہا۔

"بالکل میری بیوی چھوڑ آئی تھیں وہاں۔ میں منگوا لیتا ہوں۔ تھینک یو۔" اس نے فون بند کر دیا۔ امامہ کی جیسے جان میں جان آئی۔

"کہاں ہے کارڈ؟" امامہ نے پوچھا۔

"کہاں شاپنگ کی ہے تم نے؟" سالار نے اس کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

اسے ڈیپارٹمنٹل اسٹور یاد آیا۔

"وہاں چھوڑ دیا تھا میں نے؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں اسٹور کے منیجر نے ہیلپ لائن کو انفارم کیا۔ وہ تمہارے سیل پر ٹرائی کرتے رہے لیکن تم نے کال ریسیو نہیں کی اب انہوں نے مجھے کال کیا ہے۔"

وہ بیگ سے اپنا سیل نکال کر دیکھنے لگی۔ اس پر واقعی بہت ساری مسڈ کالز تھیں لیکن یہ کب آئی تھیں۔؟ شاید جب وہ ریسپشن میں بیٹھی اپنی سوچوں میں غرق تھی۔

ایک آدمی ایک ٹرے میں پانی اور جوس کا گلاس لے کر آگیا۔ اسے اس وقت اس کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ شرمندگی کی وجہ سے۔

سالار دوسرے صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس دوران انٹر کام دوبارہ بجا اور وہ اٹھ کر گیا۔ گاڑی کا پتا چل گیا تھا۔

"امامہ گاڑی کے پیپرز کہاں ہیں؟" اس نے ایک بار پھر فون ہولڈر پر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

امامہ کو اپنی اگلی حماقت یاد آئی پیپرز گاڑی میں ہی تھے۔ وہ پیپرز اور لائسنس دونوں وہاں چھوڑ کر آئی تھی۔ اس برانڈ نیو گاڑی پر اگر کوئی ہاتھ صاف کرتا تو اس خوش قسمت کو گاڑی کے ساتھ یہ دونوں چیزیں بھی انعام میں ملتیں۔ کیونکہ لفٹر اسے مطلوبہ پارکنگ میں چھوڑ کر وہاں سے جا چکا تھا۔ اس پر اسٹیکر لگا ہوتا تو شاید وہ اسے کہیں اور لے کر جاتا لیکن اب وہ اسے قریبی پارکنگ میں چھوڑ گئے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا مالک گاڑی کے پیچھے آرہا ہوگا۔

جوس یک دم اس کے حلق میں اٹکنے لگا تھا۔

"گاڑی میں۔" اس نے نظریں ملائے بغیر کہا۔ جواباً" اسے ملامت نہیں کی گئی جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔

"آئی ڈی کارڈ کی کاپی ہے؟" وہ کسی کو گاڑی لانے کے لیے بھیجنا چاہتا تھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر آئی ڈی کارڈ یا گاڑی کے پیپرز ساتھ دینا چاہتا تھا تاکہ اگر اسے پارکنگ میں چیک کیا جائے تو گاڑی لانے میں دقت نہ ہوتی۔ وہ گلاس رکھ کر ایک بار پھر آئی ڈی کارڈ اپنے بیگ میں ڈھونڈنے لگی وہاں بھی اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ دوسرے بیگ میں تھا۔ اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا۔ اسے خود پر شدید غصہ آرہا تھا۔ اس دفعہ سالار نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔

"میرے پیپرز میں دیکھو میری وائف کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی ہوگی وہ ڈرائیور کو دے دو اور کار کی چابیاں بھی بھجوا دیتا ہوں۔" اس نے فون پر کہا۔

"تمہیں اگر فریش ہونا ہو تو میرے سلیپرز یہاں پڑے ہیں۔"

یہ آفر بے حد بروقت آئی تھی۔ اسے واقعی اس وقت کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں وہ اپنا منہ چھپا لیتی۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا ناکارہ اور احمق محسوس نہیں کیا تھا۔

باتھ روم کا دروازہ بند کیے وہ اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی گئی۔ پانی کچھ بہا نہیں پا رہا تھا نہ شرمندگی نہ وہ

ہتک' نہ اس کا رنج۔

"سنا ہے' تمہاری کوئی گرل فرینڈ آئی ہے؟"

اس نے باہر رمشہ کی آواز سنی۔ وہ سالار کو چھیڑ رہی تھی اور وہ جواباً" ہنسا تھا۔

"ہاں' آج کی Disasterous میٹنگ کے بعد' کسی گرل فرینڈ کا ایک وزٹ تو ڈیزرو کرتا تھا میں۔" وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ان کی گفتگو سنتی رہی۔ دونوں اب کسی کلائنٹ اور آج کی میٹنگ کو ڈسکس کر رہے تھے۔

اس کا دل چاہا تھا وہ واپس کمرے میں نہ جائے وہ اس سین سے غائب ہونا چاہتی تھی۔

باتھ روم کا دروازہ کھلنے پر رمشہ خیر مقدمی انداز میں اس کی طرف آئی۔

"چلو کسی بہانے تمہاری بیگم تو یہاں آئیں۔" رمشہ نے اس سے ملتے ہوئے کہا تھا۔

سالار جواب دینے کے بجائے صرف مسکرایا۔ چند منٹ وہ کھڑی باتیں کرتی رہی' پھر اس نے کہا۔

"اب اگلی میٹنگ ہے' تو تم آرہے ہو کیا؟"

"ہاں' میں آتا ہوں۔ تم اسٹارٹ کرلو میٹنگ' میں دس' پندرہ منٹ میں آجاتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ رمشہ' امامہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے نکل گئی۔

"تم چلے جاؤ' گاڑی آئے گی تو میں چلی جاؤں گی۔" اس نے کمرے میں پڑے جوتے کے ڈبے سے نیا جوتا نکالتے ہوئے سالار سے کہا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اس وقت ایک خواہ مخواہ کی لائبلیٹی بن کر آئی تھی۔

"تم سینڈوچ کھاؤ۔ تم نے ہی صبح بنا کر دیے تھے' آج کلائنٹس کے ساتھ لنچ کیا ہے' یہ کھا نہیں سکا۔" وہ ٹیبل پر پڑے سینڈوچ کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس وقت حلق سے کچھ اتارنا بہت مشکل تھا۔

"کیوں بھوک نہیں ہے؟ لنچ کیا ہے تم نے؟"

"نہیں' لیکن بھوک نہیں ہے۔"

"پھر کھاؤ' صرف ایک کھالو۔" وہ اسے بہلا رہا تھا۔ امامہ کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا اور اس وقت پوچھنا بے کار تھا۔ جب بھی وہ پریشان ہوتی اسی طرح چیزیں بھولتی تھی' اور اتنے مہینوں میں سالار اس چیز کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا' وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ اس کے لیے اب کوئی غیر معمولی بات نہیں رہی تھی۔

وہ اب سر جھکائے سینڈوچ کھانے لگی تھی جو اس نے پلیٹ میں اس کے سامنے رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ اب اس کی ان تمام حرکات پر کوئی تبصرہ کرے گا' مگر وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ سینڈوچ ختم ہونے کے بعد اس نے امامہ سے چائے کا پوچھا اور اس کے انکار پر اس نے انٹر کام پر کسی سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کے لیے کہا۔

"میں تمہیں اپنی گاڑی میں بھجوا رہا ہوں۔ تمہاری گاڑی جب آئے گی تو میں بھجوا دیتا ہوں۔"

"میں خود ڈرائیو کرکے چلی جاتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"نہیں' ڈرائیور تمہیں ڈراپ کرے گا۔ تم اپ سیٹ ہو اور میں نہیں چاہتا تم ڈرائیو کرو۔" وہ بول نہیں سکی' یہ جاننے کے باوجود کہ وہ بڑی آسانی سے جان گیا ہوگا کہ اس وقت اسے کوئی پریشانی تھی۔

"میں خود چلی جاتی ہوں۔" اس نے بینک کی ایگزٹ پر سالار سے کہا۔

"یار' کلائنٹس کو بھی یہاں تک چھوڑنے آجاتا ہوں' تم تو بیوی ہو میری۔" وہ مسکرایا تھا۔

ڈرائیور پارکنگ میں کھڑی گاڑی دروازے کے سامنے لے آیا تھا۔ ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے آیا مگر اس سے پہلے سالار اس کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول چکا تھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے اسے رک کر دیکھنے لگی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق میں ایک بار پھر سے گرہیں پڑنے لگی تھیں۔

"Anything else Ma'am" سالار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ سمجھا کہ وہ اسے کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔

"تھینک یو۔" اس نے بالآخر کہا۔

"Always at your disposal ma'am"

اس نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گئی' سالار نے دروازہ بند کر دیا۔ چلتی ہوئی گاڑی میں سے امامہ نے ایک لمحے کے لیے مڑ کر دیکھا۔ وہ ابھی وہیں کھڑا تھا' وہ یقیناً" گاڑی کے مین روڈ پر جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا۔

جس کی ذمہ داری تھی وہ شخص اس کے لیے کھڑا تھا۔ وہ جلال کی ذمہ داری نہیں تھی' پھر وہ کیوں یہ توقع کر رہی تھی کہ وہ اس کے لیے اتنی کرٹسی دکھاتا۔ اس نے ٹھیک کیا تھا' اسے ڈرائیور کے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ واقعی اس وقت گاڑی ڈرائیو کرنے کے قابل نہیں تھی۔ وہ اپنی گاڑی میں ہوتی تو گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر کے' اندر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی۔ نہ وہ اتنی بے وقعت تھی جتنی ہر بار جلال کے سامنے جا کر ہو جاتی تھی' نہ وہ اتنی انمول تھی جتنا یہ شخص اسے سمجھ رہا تھا۔ ایک اسے کوئلہ سمجھ کر رہا تھا' اور دوسرا کوہ نور۔ وہ بے وقعتی کانچ کی طرح لگتی تھی اور یہ وقعت خنجر کی طرح۔ لیکن دونوں چیزیں زخمی کرتی تھیں اسے۔

وہ گھر آ کر بھی بہت دیر تک لاؤنج میں بے مقصد بیٹھی رہی تھی۔ آج کا دن بے حد برا تھا' بے حد۔ کوئی چیز اسے پرسکون نہیں کر پا رہی تھی۔ تکلیف دہ یادوں کا ایک سلسلہ تھا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" سالار نے رات کو کھانے کی ٹیبل پر اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" جواب حسب توقع تھا۔

سالار نے کھانا کھاتے کھاتے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے' میں بس اپنی فیملی کو مس کر رہی ہوں۔" اس نے جھوٹ بولا۔

یہ واحد طریقہ تھا جس سے اس گفتگو کا موضوع اس کی ذات سے ہٹ سکتا تھا۔

سالار نے اسے کریدا نہیں تھا۔ وہ بعض دفعہ اسی طرح پریشان ہوتی تھی۔ اور وہ اسے صرف بہلانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ آج بھی اس نے یہی کچھ کیا۔ وہ ڈنر کے بعد کام کے لیے اپنے اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ امامہ نے سونے کی کوشش کی' لیکن وہ سو نہیں سکی۔ ایک بار پھر سب کچھ فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگا' وہ فلم جو آج بار بار چلتی رہی تھی۔

کتنا وقت اس نے اندھیرے میں بستر میں چت لیٹے' چھت کو گھورتے ہوئے گزارا تھا' اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔ اس کی سوچوں کا تسلسل تب ٹوٹا تھا جب کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ سالار سونے کے لیے حتی الامکان آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے اندر آیا تھا۔ پھر دروازہ بند کر کے' وہ لائٹ آن کیے بغیر اسی طرح احتیاط سے دبے پاؤں واش روم کی طرف چلا گیا تھا۔

امامہ نے آنکھیں بند کر لیں' نیند اب بھی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے سونے کے لیے بیڈ پر آ کر لیٹا تھا۔ اس نے امامہ کی طرف کروٹ لی اور پھر امامہ نے اس کی آواز سنی۔

"تم جاگ رہی ہو؟" اس نے اپنی کمر کے گرد سالار کا بازو حمائل ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

"تمہیں کیسے پتا چل جاتا ہے؟" وہ کچھ جھلائی تھی۔

"پتا نہیں کیسے؟ بس' پتا چل ہی جاتا ہے۔ کیا پریشانی ہے؟" ایک لمحہ کے لیے اس کا دل چاہا وہ اسے بتا دے اپنی اور جلال کی ملاقات کے بارے میں' لیکن دوسرے ہی لمحہ اس نے اس خیال کو جھٹک دیا تھا۔ اس سارے واقعے میں بتانے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ کوئی ایسی چیز جو کسی کے لیے بھی قابل اعتراض ہوتی' وہ سالار کو بھی یہ نہیں سمجھا سکتی تھی کہ وہ جلال کی کن باتوں پر تکلیف محسوس کر رہی تھی تو پھر بتانے کا فائدہ کیا ہوتا۔

"کچھ نہیں' بس میں ڈپریسڈ تھی۔"

"اسی لیے تو کہا تھا کہ باہر چلتے ہیں۔" وہ اب اس کے بازو پر سہلانے والے انداز میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔" امامہ نے یک دم کسی ننھے بچے کی طرح اس کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے اس سے کہا۔ اس کے سر کو چومتے ہوئے وہ اسے تھپکنے لگا' امامہ کا دل بھر آیا۔ اگر اس کی زندگی میں جلال انصر کے نام کا کوئی باب نہ آیا ہوتا تو کیا ہی اچھا تھا۔ وہ اس شخص کے ساتھ بہت خوش رہ سکتی تھی' جس کے سینے میں منہ چھپائے' وہ اس وقت ماضی کو کھوجنے میں مصروف تھی۔ زندگی میں وہ لوگ کیوں آتے ہیں جو ہمارا مقدر نہیں ہوتے' وہ مقدر نہیں بنتے تو ایڑی کا کانٹا کیوں بن جاتے ہیں؟

☼ ☼ ☼
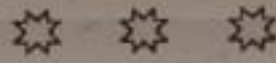
جلال کے ساتھ ہونے والی وہ ملاقات اس کے لیے ایک اتفاق تھا' ایک ایسا اتفاق جسے وہ دوبارہ نہیں چاہتی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتفاقی ملاقات اس کے لیے بہت خطرناک اثرات لے کر آنے والی تھی' مہینوں یا سالوں میں نہیں بلکہ دنوں میں۔

دو دن بعد وہ ایک ڈنر میں مدعو تھے۔ وہ اس وقت سالار کے ساتھ کھڑی چند لوگوں سے مل رہی تھی جب اس نے ہیلو کی ایک شناسا سی آواز سنی۔ امامہ نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر ہل نہیں سکی۔ وہ فاروق تھا۔ جو بے حد گرم جوشی کے ساتھ سالار سے مل رہا تھا۔

"میری بیوی....." سالار اب اس کا تعارف کروا رہا تھا۔

"تعارف کی ضرورت نہیں ہے' میں پہلے ہی ان سے مل چکا ہوں۔" فاروق نے بے حد گرم جوشی سے کہا۔

سالار نے کچھ حیران سا ہو کر فاروق کو دیکھا۔

"آپ پہلے مل چکے ہیں امامہ سے؟"

"بالکل' ابھی پرسوں ہی تو ملاقات ہوئی ہے۔ ڈاکٹر جلال انصر کے ساتھ لنچ کر رہی تھیں۔ دراصل جلال ہمارے فیملی ڈاکٹر ہیں' انہوں نے بتایا کہ یہ ان کی پرانی کلاس فیلو ہیں اور جب انہوں نے آپ کا وزیٹنگ کارڈ انہیں دیا تب مجھے پتا چلا کہ یہ آپ کی وائف ہیں۔" فاروق بڑے خوش گوار انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میں نے اور میری مسز نے تو کھانے پر انوائٹ کیا تھا' لیکن انہوں نے کہا کہ آپ آج کل مصروف ہیں۔"

فاروق نے نہ امامہ کی فق ہوتی رنگت کو دیکھا' نہ سالار کے بے تاثر چہرے کو۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا' سالار کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا' لیکن یقین نہ کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے کان جیسے سن ہو رہے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے بائیں طرف کھڑی امامہ کو دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ وہ فی الحال اس کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جلال انصر کے ساتھ مل رہی تھی..... اور کب سے؟

فاروق کی بات سنتے ہوئے امامہ نے خشک ہوتے ہوئے حلق کے ساتھ سالار کے چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ بغور فاروق کی بات سن رہا تھا اور اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس نے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر غلط اندازہ لگایا تھا۔

میں اسے سب کچھ بتا دوں گی وہ میری بات سمجھ لے گا' اس کے بے تاثر چہرے نے امامہ کو عجیب سی خوش فہمی کا شکار کیا تھا۔ وہ ابتدائی شاک سے نکلنے لگی تھی۔ مجھے پرسوں ہی سالار کو بتا دینا چاہیے تھا' تب اسے یہ شرمندگی نہ ہوتی۔ اسے ذرا پچھتاوا ہوا۔ وہاں کھڑے فاروق کی بات سنتے اور سالار کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے ان حالات میں سالار کے ردعمل کو بالکل غلط سمجھا تھا اور کیوں نہ سمجھتی' اتنے مہینوں سے وہ جس شخص کے ساتھ رہ رہی تھی' وہ اس کے ناز نخرے اٹھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہا تھا۔ اس نے اسے کبھی یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہو سکتا تھا یا اس کی کسی غلطی پر اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ ظہیر صاحب سے ملے ہیں؟" اس نے یک دم سالار کو فاروق کی بات کاٹتے دیکھا۔

"آئے ہوئے ہیں کیا؟"

"ہاں' ابھی ہم لوگ آپ ہی کی بات کر رہے تھے۔ آئیں میں آپ کو ملواتا ہوں۔" سالار' فاروق کو لیے ایک طرف چلا گیا۔

امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے موضوع بدلا تھا یا وہ فاروق کو واقعی کسی ظہیر صاحب سے ملوانا چاہتا تھا۔ وہ دوبارہ پلٹ کر اس کی طرف نہیں آیا۔ وہ ڈنر کے دوران بھی مردوں کے ایک گروپ کے پاس کھڑا رہا۔ وہ خود بھی اپنی کچھ دوسری شناسا خواتین کے ساتھ کھڑی رہی۔ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ کسی پارٹی میں وہ اس کے پاس ہی نہ آیا ہو۔ اسے کچھ پریشانی ہونے لگی' لیکن اسے ابھی بھی یقین تھا سالار اس چیز کو بہت بڑا ایشو نہیں بنائے گا۔

پارٹی کے ختم ہونے پر میزبانوں سے رخصت ہو کر وہ ہوٹل کی لابی کے دروازے پر اپنی کار کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ امامہ نے ایک بار پھر اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ اس کا چہرہ اتنا ہی بے تاثر تھا' جتنا پہلے تھا۔ لیکن اس کی خاموشی اور سنجیدگی بے حد معنی خیز تھی۔ امامہ نے بات کا آغاز کرنے کا سوچا اور تب ہی ہوٹل کا ایک ملازم ان کی گاڑی ڈرائیو وے میں لے آیا تھا۔ سالار اسے مخاطب کیے بغیر باہر نکل گیا۔ اسے اب شبہ نہیں رہا تھا کہ اس کی اس اچانک خاموشی اور بے اعتنائی کی وجہ کیا تھی۔

گاڑی میں بیٹھے ہوئے بھی اس کی خاموشی اسی طرح تھی۔ گاڑی کے مین روڈ پر آنے کے چند منٹوں کے بعد امامہ نے اس طویل خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی۔

"تم ناراض ہو مجھ سے؟"

"Will you please shut up" وہ فریز ہو گئی تھی۔

"میں اس وقت گاڑی ڈرائیو کرنا چاہتا ہوں' تمہاری بکواس سننا نہیں چاہتا۔" وہ اس پر چلایا نہیں تھا' لیکن جو کچھ اس کی نظروں اور اس کے ٹھنڈے لہجے میں تھا' وہ امامہ کو مارنے کے لیے کافی تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا' کہ بات اتنی معمولی نہیں' جتنی وہ سمجھ رہی تھی۔ وہ اسے دوبارہ مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ اتنے مہینوں میں اس نے پہلی بار اسے اندھا دھند گاڑی ڈرائیو کرتے دیکھا تھا۔

اپارٹمنٹ میں داخل ہونے کے بعد وہ اپنی جیکٹ لاؤنج میں صوفے پر پھینکتے ہوئے سیدھا کچن میں گیا۔ امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کچن میں جائے یا اس کے بیڈ روم میں آنے کا انتظار کرے۔ اپنی چادر اتارتے ہوئے وہ کچھ دیر اپارٹمنٹ کے بیرونی دروازے کے پاس ہی کھڑی رہی۔ اس کا ذہن اب ماؤف ہونے لگا تھا۔ وہ اتنے مہینوں سے ایک "عاشق" اور "دوست" کے ساتھ رہ رہی تھی اور آج پہلی بار ایک "شوہر" کا سامنا کر رہی تھی۔

کوریڈور میں کھڑے کھڑے اس نے اپنے سینڈلز اتارے۔ تب ہی اس نے سالار کو کچن ایریا سے پانی کا گلاس لے جاتے اور پھر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے دیکھا۔ اب اس کی پشت امامہ کی طرف تھی۔ پانی کا گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اب اپنے گلے سے ٹائی اتار رہا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی' پھر آگے بڑھ

آئی۔ کرسی کھینچ کر وہ بیٹھی ہی تھی کہ وہ کرسی دھکیلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"سالار! میری بات تو سنو!"
"ابھی کچھ اور رہ گیا ہے، جو تم نے مجھے بتانا ہے؟"
اس نے سالار کی آنکھوں میں اپنے لیے کبھی تحقیر نہیں دیکھی تھی، لیکن آج دیکھ رہی تھی۔
"مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔"
"وضاحت... ؟ کس چیز کی وضاحت... ؟ تم مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ تم نے اپنے ایکس بوائے فرینڈ کے لیے اپنے شوہر کو دھوکا دینا کیوں ضروری سمجھا؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔
"یا تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ تمہارے ایکس بوائے فرینڈ کی وہ کون سی خوبی ہے، جو تمہیں اپنے شوہر میں نظر نہیں آئی۔" وہ اپنے لہجے سے اسے کاٹ رہا تھا۔
"اس سے بہتر یہ ہے کہ تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کب سے اس سے مل رہی ہو؟"
"میں اتفاقاً" اس سے ملی تھی... صرف ایک بار۔"
اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کچھ کہنے کی کوشش کی۔ سالار نے ڈائننگ ٹیبل پر پوری قوت سے ہاتھ مارا تھا۔
"Stop befooling me woman!"
وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔ امامہ کی آواز بند ہو گئی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے یوں پیا ختم ہو رہا تھا۔
"تم سمجھتی ہو میں اب تم پر اعتبار کروں گا... تم نے میری نظروں میں آج اپنی عزت ختم کر لی ہے۔
"You are nothing but a bloody cheater"
وہ کہتے ہوئے وہاں رکا نہیں تھا۔ بیڈ روم میں جانے کی بجائے وہ اسٹڈی روم میں چلا گیا تھا۔
امامہ نے مٹھیاں بھینچ کر جیسے اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے الفاظ اس کے کانوں میں بار بار گونج رہے تھے۔ وہ بے حد تکلیف دہ تھے، لیکن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ اس کی کاٹ دار نظریں تھیں۔
بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنی سالار نے بنالی تھی، لیکن بات اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی جتنی اس نے سمجھی تھی۔ وہ اس کے اور جلال کے ماضی کے تعلق سے واقف نہ ہوتا تو کبھی بھی کسی کلاس فیلو کے ساتھ کھانا کھانے پر اتنا ہنگامہ کھڑا نہ کرتا، وہ کنزرویٹو نہیں تھا۔
اسے خود ہی جلال سے ملاقات کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا۔ وہاں بیٹھے، بہتے آنسوؤں کے ساتھ اب وہ خود کو ملامت کر رہی تھی۔
وہ اٹھ کر بیڈ روم میں آگئی۔ سونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ماؤف ذہن اور حواس کے ساتھ صرف سالار کے الفاظ ذہن سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سوال یہ نہیں تھا کہ وہ اسے غلط سمجھ رہا تھا، سوال یہ تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیا وہ بھی اسے اسی طرح ناقابل اعتبار سمجھتا ہے، جس طرح وہ اسے سمجھتی ہے۔
وہ ساری رات جاگتی رہی۔ سالار بیڈ روم میں نہیں آیا تھا۔ اسے یقین تھا، صبح تک اس کا غصہ ختم نہیں تو کم ضرور ہو جائے گا اور وہ اس سے دوبارہ بات کرنا چاہتی تھی۔
وہ فجر کے وقت کمرے میں آیا تھا۔ اس پر ایک نظر ڈالے بغیر وہ کپڑے تبدیل کر کے نماز پڑھنے کے لیے چلا گیا تھا۔
اس کی واپسی ہمیشہ کی طرح جم اور جاگنگ کے بعد آفس جانے سے کچھ دیر پہلے ہوئی تھی۔ اس نے امامہ کو تب بھی مخاطب نہیں کیا تھا۔ امامہ کے نکالے ہوئے کپڑوں کے بجائے، وہ اپنے نکالے ہوئے کپڑے لے کر واش روم

میں گیا تھا۔

وہ کچھ دلبرداشتہ سی ہو کر کچن میں ناشتا تیار کرنے لگی۔ سالار تیار ہو کر لاؤنج میں آیا، لیکن ناشتے کی ٹیبل پر جانے کی بجائے وہ اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ اسے پتا تھا کہ وہ اپنا لیپ ٹاپ لینے وہاں گیا تھا، لیکن یہ وہ ناشتا کرنے کے بعد کیا کرتا تھا، آج پہلے لینے کا مطلب تھا کہ.....

"سالار! ناشتا لگا دیا ہے میں نے۔" اس کے اسٹڈی روم سے نکلنے پر امامہ نے اسے کہا تھا۔

"اس کے لیے تم جلال کو بلا لو۔" اس نے بات نہیں کی تھی، اسے کوڑا مارا تھا۔ وہ سفید پڑ گئی۔ وہ ایک لمحہ رکے بغیر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر نکل گیا۔ اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنی دیر وہیں ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑی رہی۔ اس کے لفظ کسی خاردار تار کی طرح اس کے وجود کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھے۔

وہ سارا دن کچھ نہیں کھا سکی تھی۔ اس نے دوبار سالار کو کال کی، لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ اسے یہی توقع تھی۔ اس نے ٹیکسٹ میسج کے ذریعے اس سے معافی مانگی۔ اس نے ٹیکسٹ میسج کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ روزانہ سات یا آٹھ بجے کے قریب گھر آجاتا تھا۔ اگر کبھی اسے دیر سے آنا ہوتا تو وہ اسے مطلع کر دیا کرتا تھا، لیکن اس دن وہ رات کو تقریباً" دس بجے کے قریب گھر آیا تھا۔

"آج بہت دیر ہو گئی؟" امامہ نے دروازہ کھولنے پر پوچھا۔ سالار نے جواب نہیں دیا۔

وہ کھڑی صرف اسے دیکھتی رہ گئی۔ لاؤنج میں ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن کرتے ہوئے وہ بیڈ روم میں چلا گیا۔ یہ جیسے اشارہ تھا کہ وہ دوبارہ ٹی وی دیکھنے کے لیے وہاں آئے گا۔ امامہ کو یقین تھا کہ وہ کھانا نہیں کھائے گا، لیکن بوجھل دل کے ساتھ اس نے کھانا لگانا شروع کر دیا تھا۔

وہ دس پندرہ منٹ کے بعد کپڑے تبدیل کر کے لاؤنج میں آگیا تھا۔ فریج سے ایک انرجی ڈرنک نکال کر وہ لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ کر چینل سرفنگ کرنے لگا۔

"کھانا تیار ہے!" امامہ نے اسے انفارم کیا۔ وہ ٹی وی دیکھتا رہا۔

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" وہ آگے بڑھی۔ اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے کہا۔

"یہ میرا گھر ہے، یہاں موجود ہر چیز میری ہے اور کھانا کھانا یا نہ کھانا میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔" اس کی آنکھوں میں بے رخی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"میں نے تمہارے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" اس نے کبھی اس شخص کے سامنے اپنا ایسا لہجہ رکھنے کا سوچا تک نہیں تھا۔ وہ "محبت" نہیں بلکہ "رشتہ" تھا جو اس کو کمزور کر رہا تھا۔

"Stop this bullshit." وہ چینل تبدیل کرتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

"میں تمہارے ہاتھوں بے وقوف ضرور بن گیا ہوں، لیکن بے وقوف ہوں نہیں۔"

"سالار! تم جو سمجھ رہے ہو، ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے جو میں تمہیں سمجھ رہا تھا، وہ واقعی غلط تھا۔"

امامہ کے حلق میں پھر گرہیں پڑنے لگی تھیں۔

"تم میری بات کیوں نہیں سن لیتے.....؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"امامہ! آج میرے سامنے رونا مت، تم مجھے استعمال کر رہی ہو، ایکسپلائٹ کر رہی ہو۔ کرو، لیکن ایموشنلی بلیک میل مت کرو مجھے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں نمودار ہوتے آنسوؤں کو دیکھ کر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم بات نہیں سننا چاہتے' مت سنو' لیکن معاف کردو مجھے.... میں تم سے ایکسکیوز کرتی ہوں۔ میری غلطی تھی' مجھے اس سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ دنیا کا سب سے مشکل کام اپنے ناکردہ گناہ کے لیے معذرت کرنا تھا' اسے اب احساس ہو رہا تھا۔

"اس طرح ملنے کے بجائے' تمہیں اس سے شادی کرلینی چاہیے۔" اس نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"سالار! وہ شادی شدہ ہے۔" وہ بات مکمل نہیں کرسکی' اس کے آنسو بہنے لگے تھے اور اس کے بات ادھورا چھوڑنے پر وہ سلگا تھا۔

"بہت دکھ ہے تمہیں اس کے شادی شدہ ہونے کا؟ تو کہو اسے' تم سے سیکنڈ میرج کرلے یا بیوی کو طلاق دے' لیکن اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے' تم تو ویسے ہی اسے available ہو۔"

وہ سانس نہیں لے سکی' کم از کم اسے اس کی زبان سے یہ سننے کی توقع نہیں تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"تم جو مطلب نکالنا چاہتی ہو' نکال لو۔" اس نے سامنے پڑی ٹیبل پر انرجی ڈرنک کا کین اور ریموٹ کنٹرول دونوں رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے کریکٹر پر بات کر رہے ہو تم؟" اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

"کریکٹر ہے تمہارا؟" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"کریکٹر تھا تو شادی کی تھی تم نے۔" اسے اپنی بھرائی ہوئی آواز سے خود جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔

"شادی نہیں' غلطی کی تھی.... And I regret it ۔" وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آیا تھا۔ پھر اس نے اپنے حلق میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ نگلتے ہوئے کہا۔

"میری فیملی ہوتی نا تو میں تم سے اس طرح کی ایک بات بھی نہ سنتی' لیکن اب اور کچھ مت کہنا' ورنہ میں تمہارا گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

سالار نے جواب میں ٹیبل پر پڑا اپنا سیل اٹھایا۔ اس نے فرقان کو کال کی۔

"تمہارا ڈرائیور سو تو نہیں گیا؟"

"نہیں۔" دوسری طرف سے فرقان نے کہا۔

"تمہیں ضرورت ہے؟"

"ہاں۔"

"اچھا' میں اسے بتاتا ہوں۔" سالار نے سیل فون بند کردیا۔

"ڈرائیور تمہیں چھوڑ آتا ہے' تم پیکنگ کر کے جاسکتی ہو' لیکن مجھے کبھی یہ دھمکی مت دینا کہ تم گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی' جو کچھ تم میرے گھر میں بیٹھ کر کر رہی ہو' بہتر ہے تم یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔

وہ بت کی طرح وہیں بیٹھی رہی۔ اس نے اسے دھکے دے کر گھر سے نہیں نکالا تھا' لیکن وہ یہی محسوس کر رہی تھی۔ چند منٹ وہ وہیں بیٹھی رہی پھر وہ یک دم اٹھ کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ لفٹ میں اس نے اپنے دوپٹے سے بھیگی آنکھوں اور چہرے کو رگڑ رگڑ کر خشک کرنے کی کوشش کی۔ وہ ڈرائیور کے سوالوں سے بچنا چاہتی تھی۔

"مجھے سعیدہ اماں کی طرف چھوڑ دو۔" اس کے نیچے پہنچنے تک ڈرائیور فرقان کی گاڑی نکالے ہوئے تھا۔ اس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے کہا۔

رات کے سوا گیارہ بجے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر وہ پورے راستے آنسو بہاتی اور آنکھوں کو رگڑتی رہی۔ اس نے

زندگی میں ایسی بے عزتی کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اسے ایک بار پھر اپنے ماں باپ بری طرح یاد آرہے تھے۔

سعیدہ اماں نے نیند سے اٹھ کر دروازہ کھولا اور اسے دروازے پر دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہوئی تھیں، مگر اس سے زیادہ پریشان وہ اسے اندر آکر بلک بلک کر روتے دیکھ کر ہوئی تھیں۔

"سالار نے گھر سے نکال دیا؟" وہ سن کر حواس باختہ ہو گئی تھیں۔ وجہ کیا تھی، وہ سعیدہ اماں کو تو کیا، کسی کو بھی نہیں بتا سکتی تھی۔

"بھائی جان کو فون ملا کر دو، میں ان سے بات کرتی ہوں ایسے کیسے گھر سے نکال سکتا ہے وہ۔" سعیدہ اماں کو غصہ آنے لگا تھا۔

اس نے ان کے اصرار کے باوجود آدھی رات کو ڈاکٹر سبط علی کو فون نہیں کیا۔ یہ مصیبت اس کی تھی، وہ اس کے لیے لوگوں کی نیندیں خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ خود پچھلی رات نہیں سوئی اور اب اسی طرح روتے ہوئے اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ نیند مشکل سے آئی تھی، لیکن آگئی تھی۔

دوبارہ اس کی آنکھ دوپہر کو کھلی اور آنکھ کھلنے پر اسے یہ سب کچھ بھیانک خواب کی طرح لگا تھا۔

"سالار نے کوئی فون تو نہیں کیا؟" اس نے سعیدہ اماں کے کمرے میں آنے پر پوچھا۔

"نہیں، تم نہا لو میں کھانا لگا رہی ہوں، پھر بھائی صاحب کی طرف چلتے ہیں۔" سعیدہ اماں کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔ پتا نہیں اسے کیوں امید تھی کہ وہ اب پچھتا رہا ہوگا، شاید اس کے چلے جانے کے بعد اسے احساس ہو گیا ہوگا کہ اس نے زیادتی کی ہے۔ بارہ گھنٹے غصہ ختم ہونے کے لیے کافی تھے، اگر یہ سب کچھ اس نے غصے میں کیا تھا تو۔

اس نے بوجھل دل کے ساتھ شاور لیا اور سعیدہ اماں کے گھر پڑے ہوئے اپنے کپڑوں میں سے ایک جوڑا نکال کر پہن لیا۔ وہ پچھلے کئی مہینوں سے اتنے قیمتی کپڑے پہننے کی عادی ہو گئی تھی کہ اپنے جسم پر وہ جوڑا اسے خود ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی، لیکن کھانے کے دو لقمے لیتے ہی اس کی بھوک مر گئی۔ سعیدہ اماں نے زبردستی اسے کھانا کھلایا۔ وہ کھانے کے فوراً" بعد ڈاکٹر صاحب کی طرف جانا چاہتی تھیں، لیکن امامہ، ڈاکٹر صاحب کو ان کے آفس فون پر اس طرح کی گفتگو سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سالار ہفتے میں دو دن ڈاکٹر صاحب کے پاس رات کو جایا کرتا تھا اور آج بھی وہی دن تھا جب اسے وہاں جانا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے اس کے بارے میں جو کہنا چاہتا ہے، اس سے پہلے ہی کہہ دے۔ کم از کم اسے بیٹھے بٹھائے شرمندگی کا وہ بوجھ نہ اٹھانا پڑے جو اس سارے معاملے کے بارے میں انہیں بتا کر اسے اٹھانا پڑتا، لیکن سعیدہ اماں اس پر تیار نہیں تھیں۔ وہ زبردستی اسے ساتھ لے کر ڈاکٹر صاحب کے گھر آگئی تھیں۔ کلثوم آنٹی سب کچھ سن کر سعیدہ اماں کی طرح حواس باختہ ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب ابھی آفس سے نہیں آئے تھے۔

"لیکن بیٹا جھگڑا کس بات پر ہوا؟" امامہ کے پاس اس ایک سوال کا جواب نہیں تھا۔

سعیدہ اماں اور کلثوم آنٹی کے ہر بار پوچھنے پر اسے احساس ہوتا کہ اس سوال کا جواب اس کی نیت صاف ہونے کے باوجود اس کو مجرم بنا رہا تھا۔ اگر وہ سعیدہ اماں اور کلثوم آنٹی کو یہ بتاتی کہ وہ اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ کھانے پر گئی تھی یا کسی پرانے کلاس فیلو کے ساتھ تھی تو دونوں صورتوں میں وہ کبھی بھی اچھے ردعمل کا اظہار نہ کرتیں۔ وہ یہ سب کچھ ڈاکٹر صاحب کو بھی نہیں بتا سکتی تھی جو گھر آتے ہی اسے اس طرح دیکھ کر پریشان ہوئے تھے۔

"اسے میرے کریکٹر پر شک ہے۔" اس نے ان کے بار بار پوچھنے پر سر جھکائے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر سبط علی کو جیسے

شاک لگا تھا۔ سعیدہ اماں اور کلثوم آنٹی بھی بول نہیں سکی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"وہ رات کو آئے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ پریشانی کی بات نہیں ہے.... ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔" انہوں نے امامہ کو تسلی دی۔

"میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ میں جاب کرلوں گی' لیکن میں اب اس کے گھر نہیں جاؤں گی۔"

ڈاکٹر سبط علی نے اس کی کسی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ اب بھی جیسے شاک میں تھے۔ سالار سکندر کے بارے میں جو تاثر وہ آج تک بنائے بیٹھے تھے' وہ بری طرح مسخ ہوا تھا۔ وہ خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ سب کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہو سکتا ہے' ورنہ سالار اس لڑکی کو آدھی رات کو اپنے گھر سے اس طرح کے الزام لگا کر خالی ہاتھ نہیں نکال سکتا تھا' جسے وہ اپنی بیٹی کہتے تھے۔

فرقان اس رات اکیلا آیا' سالار اس کے ساتھ نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے لیکچر کے بعد اسے روک لیا اور سالار کے بارے میں پوچھا۔

"وہ کچھ مصروف تھا اس لیے نہیں آسکا۔" فرقان نے اطمینان سے کہا۔

"آپ کو اس نے بتایا ہے کہ اس نے امامہ کو گھر سے نکال دیا ہے۔" فرقان چند لمحے بول نہیں سکا۔

"امامہ کو؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"آپ کے ڈرائیور کے ذریعے ہی اس نے امامہ کو کل سعیدہ بہن کے گھر بھجوایا تھا۔"

فرقان کو پچھلی رات سالار کی کال یاد آگئی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا.... کیسے.... ؟ مطلب...."

فرقان کا دماغ واقعی چکرا گیا تھا۔ سالار' امامہ پر جس طرح جان چھڑکتا تھا' کم از کم اس کے لیے یہ بات ماننا ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے گھر سے نکال سکتا ہے' اور وہ بھی اس طرح آدھی رات کو۔ وہ اسے کل جم میں بہت خاموش سا لگا اور آج وہ جم میں آیا ہی نہیں تھا' لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ اس خاموشی کا کوئی تعلق امامہ سے ہو سکتا ہے۔

"میں اسے ابھی فون کرتا ہوں' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

فرقان نے پریشان ہوتے ہوئے سالار کو اپنے سیل سے کال کی' سالار کا سیل آف تھا۔ اس نے دوبارہ گھر کے نمبر پر ٹرائی کیا' کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اس نے کچھ حیران ہو کر ڈاکٹر صاحب کو دیکھا۔

"فون نہیں اٹھا رہا.... سیل آف ہے.... میں گھر جا کر بات کرتا ہوں اس سے.... آپ امامہ کو میرے ساتھ بھیج دیں۔" فرقان واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں' امامہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔ اس نے نکالا ہے' وہ معذرت کر کے خود لے کر جائے۔" ڈاکٹر سبط علی نے بے حد دو ٹوک انداز میں کہا۔

"آپ اسے جا کر میرا پیغام دے دیں۔" فرقان نے کبھی ڈاکٹر سبط علی کو اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼
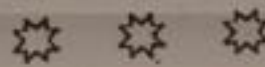
سالار نے بیل کی آواز کو چند بار نظر انداز کرنے کی کوشش کی' لیکن پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ فرقان جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور اس کا یہ ارادہ کیوں تھا' وہ جانتا تھا۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا اور پھر دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر آگیا۔

"تم نے امامہ کو گھر سے نکال دیا ہے؟" فرقان نے اندر آتے ہوئے اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے نہیں نکالا' وہ خود گھر چھوڑ کر گئی ہے۔" سالار نے پیچھے دیکھے بغیر اسٹڈی روم میں جاتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ تم نے خود مجھے ڈرائیور کو بھیجنے کے لیے کہا تھا۔"

فرقان اس کے پیچھے اسٹڈی روم میں آگیا۔

"ہاں' کہا تھا کیوں کہ اس نے مجھے گھر چھوڑنے کی دھمکی دی تھی تو میں نے کہا ٹھیک ہے' تمہیں کل جانا ہے' تم آج چلی جاؤ' لیکن میں نے اسے نہیں نکالا۔"

اس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے تاثر چہرے کے ساتھ کہا۔ فرقان نے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھرے ایش ٹرے کو دیکھا اور پھر اس سلگتے ہوئے سگریٹ کو جو وہ دوبارہ اٹھا رہا تھا۔

"بیویاں گھر چھوڑنے کی دھمکیاں دیتی ہی رہتی ہیں' اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں اس طرح گھر سے نکال دو۔" فرقان نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دیتی ہوں گی' "But she dare not do that to me"

اس نے فرقان کی بات کاٹ کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کتنے پریشان ہیں' تمہیں اس کا اندازہ ہے؟"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے وہ ڈاکٹر صاحب کو درمیان میں کیوں لے کر آئی ہے؟" وہ سلگا تھا۔

"وہ کیسے نہ لے کر آتی' تم اسے گھر سے نکالو گے اور ڈاکٹر صاحب کو پتا نہیں چلے گا؟"

"وہ چاہتی تو نہ پتا چلتا' اگر اتنی جرات تھی کہ گھر سے چلی گئی تو پھر اتنا حوصلہ بھی ہونا چاہیے تھا کہ منہ بند رکھتی۔" اس نے سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں پھینک دیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کس بات پر جھگڑا ہوا ہے تم دونوں کا؟"

"بس' ہو گیا کسی بات پر۔" وہ کم از کم وجہ بتانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ فرقان آدھے گھنٹے کے سوال و جواب اور بحث کے باوجود اس سے وجہ نہیں پوچھ سکا تھا' پھر جیسے اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' جو ہو گیا سو ہو گیا... اب تم اسے لے آؤ۔"

"یہ میں نہیں کروں گا۔ نہ میں نے اسے نکالا ہے' نہ میں اسے لے کر آؤں گا۔ وہ خود آنا چاہتی ہے تو آجائے۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"اور ڈاکٹر صاحب یہ سب نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے یا تم نے اسے نکالا ہے' ڈاکٹر صاحب کا پیغام یہی ہے کہ تم جا کر معذرت کر کے اسے لے کر آؤ۔" سالار خاموش رہا۔

"میرے ساتھ چلو' ابھی اسے لے آتے ہیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا' ڈاکٹر صاحب سے میں خود بات کر لوں گا۔"

"ابھی کرو بات۔"

"میں ابھی بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں' وہ کچھ دن وہاں رہے' یہ اس کے لیے اچھا ہو گا۔"

فرقان اگلے دو گھنٹے وہیں بیٹھا اسے سمجھاتا رہا' لیکن وہ اس کے انکار کو اقرار میں بدل نہیں سکا۔ وہ بے حد ناخوش سالار کے اپارٹمنٹ سے گیا اور اس کی خفگی نے سالار کی فرسٹریشن میں اضافہ کیا۔

اس نے فرقان سے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ واقعی امامہ کو گھر سے بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اسے دھمکانے کی کوشش کی تھی اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ واقعی اٹھ کر چلی جائے گی۔ اس کے اس طرح چلے جانے سے سالار کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔ اس سے شادی کے بعد وہ پہلی بار ضد میں آیا تھا اور یہ صحیح تھا یا غلط' ایک مرد کی طرح اب اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ فرسٹریٹڈ تھا' اپ سیٹ تھا' لیکن اب ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆
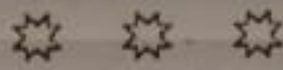
ڈاکٹر سبط علی اگلے چار دن اس کا انتظار کرتے رہے۔ وہ نہیں آیا' نہ ہی اس نے انہیں فون کیا۔ انہیں خود اسے فون کرنے میں عار تھا۔ انہیں کہیں نہ کہیں یہ توقع تھی کہ وہ ان کا اتنا احترام ضرور کرتا تھا کہ ان کا پیغام ملنے پر آجائے گا' لیکن اس کی مکمل خاموشی نے جیسے انہیں ذہنی دھچکا پہنچایا تھا۔ امامہ اس دن سے انہیں کے گھر پر تھی۔ انہوں نے یہ بہتر سمجھا تھا کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا' وہ انہیں کے گھر رہے۔ فرقان ڈاکٹر سبط علی کے گھر اور سالار کے اپارٹمنٹ کے درمیان گھن چکر بنا ہوا تھا۔ وہ ہر روز ڈاکٹر صاحب کے پاس آرہا تھا' یہ جیسے اس کی طرف سے اس شرمندگی کو ظاہر کرنے کی ایک کوشش تھی' جو وہ سالار کے اس رویے پر محسوس کر رہا تھا۔

اس صورت حال میں سب سے زیادہ ابتر ذہنی حالت امامہ کی تھی۔ اسے یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ سالار اس کے معاملے میں اس طرح کا رویہ دکھا سکتا ہے۔ وہ گھر میں ڈاکٹر صاحب اور کلثوم آنٹی کی پریشانی دیکھ کر خود کو اور بھی زیادہ مجرم محسوس کر رہی تھی اور اسی ذہنی تناؤ کی وجہ سے اسے بخار رہنے لگا تھا۔

چوتھے دن ڈاکٹر سبط علی نے سالار کو فون کر دیا۔ وہ آفس میں بیٹھا ہوا تھا' اور سیل پر ڈاکٹر صاحب کا نمبر دیکھتے ہوئے وہ چند لمحے ہل نہیں سکا۔ یہ ایک ایسی کال تھی جس سے وہ بچنا بھی چاہتا تھا اور جسے وہ اٹینڈ نہ کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد ڈاکٹر سبط علی نے کسی تمہید کے بغیر اس سے کہا۔

"آپ اگر شام کو میری طرف آسکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں آجاتا ہوں۔ اگر معاملہ حل ہو سکا تو بہتر ہو گا' ورنہ معاملہ ختم کرلیں گے۔"

ان کے الفاظ میں اس کے لیے کسی قسم کا ابہام نہیں تھا۔

"میں آجاؤں گا۔"

"مہربانی ہو گی آپ کی۔" انہوں نے کسی مزید بات کے بغیر سلام کر کے فون بند کر دیا۔

وہ فون ہاتھ میں پکڑے بیٹھا رہا۔ ڈاکٹر سبط علی کا یہ لہجہ اس کے لیے نیا تھا' لیکن غیر متوقع نہیں تھا۔ غیر متوقع صرف وہ جملہ تھا جو انہوں نے آخر میں کہا۔ معاملہ ختم کرنے تک کی نوبت کیسے آگئی تھی' اس کے نزدیک یہ صرف ایک جھگڑا تھا۔ پہلی بار اس کے پیٹ میں گرہیں پڑی تھیں۔

اس شام کو ڈاکٹر سبط علی نے ہمیشہ کی طرح اسے دروازے پر ریسیو نہیں کیا تھا' نہ اس سے مصافحہ کیا اور نہ ہی وہ اس کے لیے اٹھے تھے۔ وہ ملازم کے ساتھ اندر آیا۔ ڈاکٹر سبط علی لاؤنج میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ اس کے آنے پر انہوں نے وہ کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ سالار سلام کرنے کے بعد سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں تم سے بہت لمبی چوڑی بات نہیں کروں گا' سالار!" سالار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ پہلی بار ان کے منہ سے تم کا طرز تخاطب سن رہا تھا اور وہ بھی اپنے لیے' ورنہ وہ اپنے ملازم کو بھی آپ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

"میں پچھلے چار دن سے صرف اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میں نے امامہ کی شادی تم سے کیوں کروائی۔۔۔ تم اس قابل نہیں تھے۔ محبت کے دعوے کرنا اور بات ہوتی ہے' لیکن کسی عورت کو اپنے گھر میں عزت سے رکھنا' ایک بالکل الگ بات۔۔۔ تم صرف پہلا کام کر سکتے تھے۔"

لاؤنج سے منسلک کمرے میں وہ ڈاکٹر صاحب کی آواز اور اس کی خاموشی دونوں کو سن رہی تھی۔

"اپنی بیوی کو اس طرح گھر سے نکالنے والے مرد کو میں مرد تو کیا انسان بھی نہیں سمجھتا۔ تمہیں اگر اس بات کا پاس نہیں تھا کہ وہ تمہاری بیوی ہے' تو اس بات کا پاس ہونا چاہیے تھا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ میری بیٹی کو تم نے اس طرح خالی ہاتھ آدھی رات کو گھر سے نکالا ہے۔"

"میں نے اسے گھر سے نہیں نکالا وہ خود۔۔۔" سالار نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے گاڑی ارینج کی تھی۔" اندر بیٹھی امامہ کانپنے لگی تھی۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو کبھی اتنی بلند آواز میں بات کرتے نہیں سنا تھا۔

"تمہیں جرات کیسے ہوئی کہ تم اس کے کریکٹر کے بارے میں بات کرو؟"

سالار نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ بات میں نے کیوں کی تھی؟" اندر بیٹھی امامہ کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ صرف یہی ایک بات تھی جس پر وہ گلٹی تھی اور جس کا اعتراف وہ اتنے دن سے کسی سے نہیں کر پائی تھی۔

"میں اس سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ میں تمہارے کردار کو نہیں جانتا' لیکن وہ نو سال سے میرے پاس ہے' وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جس پر تم اس کے کردار پر انگلی اٹھاتے۔"

اسے یقین تھا وہ اب جلال کا نام لے گا۔۔۔ اب لے گا۔۔۔ اس کا پورا جسم سرد پڑ رہا تھا۔ ایک' دو' تین' چار' پانچ۔۔۔ اس کا دل سیکنڈز سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ سالار کا ایک جملہ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی نظروں میں اسے ہمیشہ کے لیے گرانے والا تھا' لیکن اس طرف خاموشی تھی۔

پھر امامہ نے اس کی آواز سنی' ایک لمحے کے لیے اسے لگا' اس کا دل رک جائے گا۔

"آئی ایم سوری۔" اسے یقین نہیں آیا' یہ وہ جملہ نہیں تھا جسے سننے کی اسے توقع تھی۔ اس کی معذرت نے اسے شاک دیا تھا تو ڈاکٹر صاحب کو کچھ اور مشتعل کیا۔

"ایک بات یاد رکھنا تم سالار۔۔۔ جو کچھ تمہیں زندگی میں ملنا ہے' اس عورت کے مقدر سے ملنا ہے۔۔۔ یہ تمہاری زندگی سے نکل گئی تو خواری کے سوا اور کچھ نہیں ہاتھ آنا تمہارے۔۔۔ ہاتھ ملو گے ساری عمر تم۔۔۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے تمہیں امامہ کا کفیل بنایا ہے۔۔۔ کبھی رازق بننے کی کوشش بھی مت کرنا' تم رازق نہیں ہو اس کے۔۔۔ اللہ تم سے بہتر کفیل دے دے گا اسے۔۔۔ تم سے زیادہ مہربان' تم سے زیادہ خیال رکھنے والا۔۔۔"

"وہ دیکھو تو لہو نہیں" کے مصداق بنا بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر سبط علی نے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ شرم ساری سی شرم ساری تھی جو وہ محسوس کر رہا تھا اور اندر بیٹھی امامہ بھی ندامت کے ایک ایسے ہی سمندر میں غرق تھی۔

"اسے گھر میں رکھنا ہے تو عزت سے رکھو' ورنہ ابھی اور اسی وقت اس کو چھوڑ دو۔ تم سے کئی گنا اچھے انسان کے ساتھ بیاہ دوں گا جو اسے تم سے زیادہ اچھے طریقے سے اپنے گھر کی عزت بنا کر رکھے گا۔"

"میں، آپ سے اور اس سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ اسے بلائیں، میں اس سے معذرت کر لیتا ہوں۔"
سے گھٹنے ٹیکنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

اندر بیٹھی امامہ زمین میں جیسے گڑ کر رہ گئی تھی۔ یہ آخری چیز تھی جس کی توقع اسے سالار سے تھی۔

کلثوم آنٹی اسے بلانے آئی تھیں اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ کہیں بھاگ جائے۔ زندگی میں اپنے شوہر کا جھکا ہوا سر دیکھنے سے بڑی ندامت کا سامنا اس نے آج تک نہیں کیا تھا' کیا ملامت تھی جو لاؤنج میں آکر بیٹھتے ہوئے اس نے خود کو کی تھی۔ یہ سب کچھ اس کی غلطی سے شروع ہوا تھا۔

"میں بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں جو کچھ ہوا' نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جو کچھ کیا' غلط کیا میں نے' مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس نے سر یا نظریں اٹھائے بغیر اس کے بیٹھتے ہی کہا تھا۔ امامہ کے رنج میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ آج سالار کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اور اس کا ذمہ دار وہ اپنے آپ کو ٹھہرا رہی تھی۔

"بیٹا! آپ جانا چاہ رہی ہیں تو چلی جائیں اور نہیں جانا چاہتیں تو......" ڈاکٹر صاحب نے اس سے کہا۔

"نہیں' میں جانا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر اپنا سامان پیک کر لیں۔" ڈاکٹر صاحب نے اس سے کہا' وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی۔ دو دن پہلے کلثوم آنٹی نے اسے کچھ کپڑے اور ضرورت کی چیزیں لا کر دی تھیں' اس نے انہیں ایک بیگ میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر صاحب' امامہ کے اٹھتے ہی اسٹڈی روم میں چلے گئے اور وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"بیٹا کھانا لگواؤں۔" کلثوم آنٹی نے جیسے ماحول کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں' میں کھانا کھا کر آیا تھا۔"

اس نے اب بھی نظریں نہیں اٹھائیں۔ وہ نظریں اٹھانے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

ملازم سوفٹ ڈرنک کا ایک گلاس اسے دے کر گیا۔ سالار نے کچھ کہے بغیر گلاس اٹھا کر چند گھونٹ لے کر رکھ دیا۔

اسے اپنی چیزیں پیک کر کے باہر آنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ سالار نے کھڑے ہو کر خاموشی سے اس سے بیگ لے لیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی تب تک اسٹڈی روم سے نکل آئے تھے۔ وہ ان دونوں کو گاڑی تک چھوڑنے آئے تھے مگر ہمیشہ کی طرح وہ سالار سے بغل گیر نہیں ہوئے۔

گاڑی کے سڑک پر آنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی' پھر سالار نے کہا۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں' I mis behaved with you"

وہ دوبارہ اس سے معذرت کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"سالار' میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مجھے نہیں پتا تھا کہ ابو کو اتنا غصہ آئے گا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ......"

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نہیں' ٹھیک کیا انہوں نے جو بھی کیا' غلط تو کچھ بھی نہیں کیا انہوں نے' لیکن میں نے تمہارے کیریکٹر کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے' تم یہ سب کچھ کہو گے اور میں یہ نہ سمجھوں کہ تم میرے کیریکٹر پر انگلی اٹھا رہے ہو؟"
سالار خاموش رہا تھا۔

"وہ مجھے اتفاقاً" اس دن پارکنگ میں مل گیا تھا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ سالار نے اس بار اسے نہیں ٹوکا۔

"ابھی چند ماہ پہلے اس نے دوسری شادی کی ہے...... اس نے لنچ کے لیے اصرار کیا...... مجھے خیال بھی نہیں آیا کہ

تمہیں برا لگ سکتا ہے اور میں نے تو لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر ریسٹورنٹ میں بیٹھے رہے پھر وہ آدمی اور اس کی مسز آگئیں۔ مجھے دیر ہو رہی تھی تو میں وہاں سے گھر آگئی' بس اتنی سی بات تھی۔ میری غلطی بس یہ تھی کہ میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں اس سے ملی تھی۔"

"اور میری غلطی یہ تھی کہ میں نے تمہاری بات نہیں سنی' سن لینی چاہیے تھی' I over reacted۔"

وہ اب مدھم آواز میں اعتراف کر رہا تھا۔

"بے عزتی کروائی تھی اس لیے۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس وقت اس کی کس قدر احسان مند ہو رہی تھی' لیکن وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس کی ایک لمحے کی خاموشی نے اس کی عزت رکھی تھی اور پچھلے تمام دن کے رویوں کا جیسے کفارہ ادا کر دیا تھا۔ وہ احسان مندی کے علاوہ اس وقت اس شخص کے لیے کچھ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس وقت تشکر اور شرمندگی' کے سوا کوئی تیسری چیز اس کے پاس نہیں تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہیں کسی آدمی کے ساتھ میرا ملنا اتنا برا لگے گا' ورنہ میں تو کبھی....." کچھ دیر کے بعد اس نے کہا تھا۔

سالار نے اس کی بات کاٹی۔ "وہ "کوئی" آدمی نہیں تھا امامہ!"

"وہ اب میرے لیے صرف "کوئی" آدمی ہے۔" سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس نے ناک رگڑتے ہوئے آنکھوں کو ایک بار پھر صاف کرنے کی کوشش کی۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"ہاں' ٹھیک ہے۔" اس نے امامہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر جیسے ٹمپریچر چیک کیا۔

"بخار ہے؟"

"تھوڑا سا ہے۔"

"ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔"

"نہیں میڈیسن لے رہی ہوں میں..... بیگ میں ہے۔" وہ خاموش ہو گیا۔

انہوں نے ایسی خاموشی میں پہلے کبھی سفر نہیں کیا تھا۔ اس ایک واقعے نے اعتماد کے اس رشتے میں کچھ عجیب دراڑیں ڈالی تھیں' جو پچھلے چند ماہ میں ان کے درمیان بن گیا تھا۔

اس رات گھر آکر بھی ان کے درمیان بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ امامہ میڈیسن لے کر سونے کے لیے لیٹ گئی اور سالار تقریباً" ساری رات اسٹڈی روم میں بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ وہ پچھلی تین چار راتوں سے یہی کچھ کر رہا تھا' لیکن آج وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ آخری چیز جس کی وہ کبھی توقع نہیں کر سکتا تھا' وہ ڈاکٹر سبط علی کا ایسا ہتک آمیز رویہ تھا۔ یہ سب اس کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا اور اسے یہ ماننے میں عار نہیں تھا۔

اس کو اتنا غصہ کیوں آیا؟ اور اس طرح کا غصہ؟ وہ خود بھی یہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ غصیل نہیں تھا۔ کم از کم پچھلے دس سالوں میں ایسے بہت کم مواقع آئے تھے' جن پر کسی سے اس کی خفگی اتنی طویل ہوئی' جتنی امامہ سے ہو گئی تھی۔ وہ جلال سے جیلس نہیں تھا' وہ ان سیکیور تھا۔ وہ اس کے معاملے میں کس طرح بے اختیار تھی' اس کا مظاہرہ وہ دس سال پہلے بہت اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ جلال کا ایک دم دوبارہ ان کی زندگی کے منظر نامے میں اس طرح نمودار ہونا' سالار کو ایک مرد کے طور پر بے حد ہتک محسوس ہوئی تھی۔

وہ پچھلے کئی مہینوں سے اسے خوش کرنے کے لیے آخری حد تک جا رہا تھا۔ اس نے اس کے ناز نخرے اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ شعوری اور لاشعوری طور پر ایک مرد کی طرح وہ ہر وہ چیز کر رہا تھا جو امامہ کو خوش

کرتی۔ اسے یقین تھا' وہ سب کچھ امامہ کے دل سے جلال انصر نامی شخص سے متعلقہ ہر طرح کے جذبات نکال دے گا اور اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ ایسا ہو بھی رہا ہے۔ وہ اس کے قریب آرہی تھی' لیکن جلال انصر کسی بھوت کی طرح یک دم دوبارہ نمودار ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے اتنی خوب صورتی سے دھوکا دے رہی تھی۔

وہ دو دن پہلے ہونے والی ایک ایک بات کو یاد کر کے سلگتا رہا۔ وہ اگر اتفاقی ملاقات بھی تھی تو اس کے بعد اس نے امامہ کی جو حالت دیکھی تھی' وہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ چار دن تک وہ آفس' گھر' جم ہر جگہ صرف ایک ہی بات کے بارے میں سوچ سوچ کر جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی؟

اس دن اس کے آفس میں جو آخری چیز امامہ بھولی تھی' وہ باتھ روم بیسن کی سل پر اس کی شادی کی رنگ تھی۔ وہ رنگ اس کے جانے کے بعد سالار کو وہاں ملی تھی۔ اس کا خیال تھا اسے گھر پہنچ کر رنگ یاد آجائے گی' لیکن اس دن تو کیا اگلے دو دن تک امامہ کو وہ رنگ یاد نہیں آئی تھی۔ یہ بات سالار کے لیے حیران کن تھی۔ وہ مسلسل انگلی میں رہنے والی کسی قیمتی چیز کو اس طرح کیسے فراموش کر سکتی تھی۔

جلال انصر سے ہونے والی اس ملاقات کے بعد اس نے اس رنگ کے اتارنے کو جیسے نیا مفہوم پہنا دیا تھا۔ اس کی زندگی میں سالار سکندر کے ساتھ باندھے ہوئے اس رشتے کی شاید وقتی اہمیت تھی' دلی نہیں۔ سالار کو ایک نیا مفہوم ڈھونڈنے میں دیر نہیں لگی تھی' مگر اس اشتعال میں بھی وہ کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھتا تھا کہ امامہ کے ساتھ ہونے والے اس جھگڑے کو' جلال کے نام کا ٹیگ لگا کر سب کے سامنے رکھ دیتا۔ اس کے حوالے سے یہ ایک آخری چیز تھی' جو وہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چند دن مزید اسے اسی طرح وہاں رہنے دے گا اور پھر آنے کے لیے کہہ دے گا' لیکن ڈاکٹر سبط علی کے گھر جانے کے بعد معاملات نے جو رخ اختیار کیا تھا' وہ اس کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼
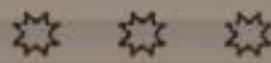
''باجی! آپ کہاں تھیں؟''

اگلی صبح وہ ملازمہ کے بیل دینے پر جاگی تھی۔ دروازہ کھولنے پر اسے دیکھتے ہی ملازمہ نے پوچھا۔

''میں چند دن اپنے گھر رہنے کے لیے گئی ہوئی تھی۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' ملازمہ نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! نہیں' بس تھوڑا سا بخار ہے اور کچھ نہیں۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''کوئی خوش خبری تو نہیں ہے باجی؟''

وہ بیڈ روم کی طرف جاتے جاتے ملازمہ کے جوش پر ٹھٹکی اور پھر بری طرح شرمندہ ہوئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' تم صفائی کرو۔''

منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے تبدیل کر کے جب وہ واپس آئی تو ملازمہ اسٹڈی روم کی صفائی کر رہی تھی۔ سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھرے ایش ٹرے نے اسے چونکا دیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے باجی! سالار صاحب سگریٹ پینے لگے ہیں۔ ہر روز اسی طرح ایش ٹرے بھرا ہوتا ہے سگریٹوں سے... اب روز روز تو کوئی مہمان نہیں آتا ہو گا۔'' ملازمہ نے ایش ٹرے خالی کرتے ہوئے اس پر جیسے انکشاف کیا۔

وہ جواب دیے بغیر وہاں سے نکل آئی۔ کچن کے فریج میں ہر چیز اسی طرح پڑی تھی جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

وہ یقیناً ''پچھلے کچھ دنوں میں گھر پر کھانا نہیں کھا رہا تھا' ورنہ فریز کی ہوئی چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ استعمال ہوا ہوتا۔

فون کی بیل ہونے پر' وہ کچن میں اپنے لیے ناشتا بناتے ہوئے باہر نکل آئی۔ وہ سالار تھا جو عام طور پر اسی وقت اسے کال کیا کرتا تھا۔ اتنے دنوں کے وقفے کے بعد فون پر اس کی آواز اسے بے حد عجیب لگی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔

''ناشتا کر کے گئے تھے آفس؟'' اسے کچن میں کوئی استعمال شدہ برتن نظر نہیں آیا تھا۔

''نہیں' لیٹ ہو گیا تھا۔ ناشتے کے لیے ٹائم نہیں تھا۔''

''مجھے جگا دیا ہوتا' میں بنا دیتی۔'' اس نے کہا۔

''نہیں' مجھے بھوک بھی نہیں تھی۔'' رسمی جملوں کے بعد اب وہ خندق آگئی تھی جس سے دونوں بچنا چاہ رہے تھے اور بچ نہیں پا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے کچھ کہنے کے لیے ان کے پاس یک دم الفاظ نہیں رہے تھے۔

''اور؟'' وہ خود کوئی بات ڈھونڈنے میں ناکام رہنے کے بعد اس سے پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بھی اتنی ہی خالی تھی۔

''رات کو کہیں باہر کھانا کھانے چلیں گے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔'' گفتگو پھر اسکوائرون پر آگئی۔ سالار نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ بہت دیر ریسیور پکڑے بیٹھی رہی۔ بہت فرق تھا اس گفتگو میں جو وہ ایک ہفتہ پہلے فون پر کرتے تھے اور اس گفتگو میں جو وہ اب کر رہے تھے۔ دراڑیں بھرنا زیادہ مشکل تھا کیوں کہ نشان کبھی نہیں جاتے' وہ بھی یہی وقت محسوس کر رہے تھے۔

اس نے زندگی میں اس ایک ہفتے میں جو کچھ سیکھا تھا' وہ شادی کے اتنے مہینوں میں نہیں سیکھا تھا۔ کسی انسان کی محبت کبھی ''غیر مشروط'' نہیں ہو سکتی۔ خاص طور پر تب' جب کوئی محبت' شادی نام کے رشتے میں بھی بندھی ہو۔ سالار کی محبت بھی نہیں تھی۔ ایک ناخوش گوار واقعہ اسے آسمان سے زمین پر لے آیا تھا۔ وہ زمینی حقائق اسے پہلی بار نظر آئے تھے' جو پہلے اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ وہ صرف محبوبہ نہیں تھی' بیوی بن چکی تھی۔ ایک مرد کے لیے ایسے اب زندگی' دل اور ذہن سے نکالنا زیادہ آسان تھا۔ سالار نے دوسروں کی نظروں میں اس کی عزت ضرور رکھ لی تھی' لیکن اس کی اپنی نظروں میں اسے بہت بے وقعت کر دیا تھا۔ خوش فہمیوں اور توقعات کا پہاڑ آہستہ آہستہ ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

وہ شام کو جلدی گھر آگیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ ارادی طور پر تھا۔ اس کے لیے بیرونی دروازہ کھولنے پر اس نے ہمیشہ کی طرح گرم جوشی سے اسے اپنے ساتھ نہیں لگایا تھا۔ اس سے نظر ملانا' مسکرانا اور اس کے قریب آنا شاید اس کے لیے بھی بہت مشکل ہو گیا تھا۔ پہلے سب کچھ بے اختیار ہوتا تھا' اب کوشش کے باوجود بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔

کھانے کے لیے باہر جاتے ہوئے بھی گاڑی میں ویسی ہی خاموشی تھی۔ دونوں وقفے وقفے سے کچھ پوچھتے پھر یک حرفی جواب کے بعد خاموش ہو جاتے۔

وہ پہلا ڈنر تھا جو انہوں نے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے اپنی ڈنر پلیٹ کو دیکھتے ہوئے کیا تھا اور دونوں نے کھانا کسی دلچسپی کے بغیر کھایا تھا۔

واپسی بھی اسی خاموشی کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ ایک بار پھر سونے کے لیے بیڈ روم میں اور وہ اسٹڈی روم میں چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح اس نے ایش ٹرے پھر سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھرا ہوا دیکھا۔ وہ فجر کے بعد اسٹڈی روم میں گئی' جب وہ جم میں تھا۔ وہ بھرا ہوا ایش ٹرے' اس کی ذہنی حالت کو کسی دوسری چیز سے زیادہ بہتر طریقے سے بیان کر رہا تھا۔ وہ اس بات سے پریشان ہوئی کہ وہ اسموک نہیں تھا' لیکن عادی بن رہا تھا۔ پوچھنے کا فائدہ نہیں تھا' اس کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی۔

اگلے دن وہ تقریباً" ایک ہفتے کے بعد ناشتے کی ٹیبل پر تھے۔ بات کرنا' نظر ملانے سے زیادہ آسان تھا اور وہ بات کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ شرمندگی اور ان تکلیف دہ احساسات کو ختم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے جو اس ٹیبل پر بن بلائے مہمانوں کی طرح موجود تھے' لیکن وہ مہمان ٹیبل چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔

ایک ہفتہ کے بعد ہی وہ گھر کا بنا ہوا لنچ آفس لے کر جا رہا تھا۔ وہ امامہ سے کہہ نہیں سکا کہ اس نے پورا ہفتہ گھر پر ناشتے سمیت کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر اتنے دن اس کے لیے بھوت بنگلہ بنا رہا۔ گھر سے نکلتے ہوئے اس نے امامہ سے کہا۔

"میری دراز میں تمہاری رنگ ہے' وہ لے لینا۔" امامہ نے جیسے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ دیکھا۔

"میری رنگ....؟" وہ رنگ اسے پہلی بار یاد آئی تھی۔

"وہ میں نے کہاں رکھ دی؟"

"میرے آفس کے واش روم میں۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا' وہ کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

کئی دنوں کے بعد اس رات سالار نے رغبت سے کھانا کھایا تھا۔ وہ عام طور پر ایک چپاتی سے زیادہ نہیں کھاتا تھا' لیکن آج اس نے دو چپاتیاں کھائی تھیں۔

"اور بنا دوں؟" امامہ نے اسے دوسری چپاتی لیتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ وہ خود چاول کھا رہی تھی۔

"نہیں' میں پہلے ہی اوور ایٹنگ کر رہا ہوں۔" اس نے منع کر دیا۔

امامہ نے اس کی پلیٹ میں کچھ سبزی ڈالنے کی کوشش کی' اس نے روک دیا۔

"نہیں' میں ویسے ہی کھانا چاہ رہا ہوں۔" امامہ نے کچھ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ بے حد گہری سوچ میں ڈوبا اس چپاتی کے لقمے لے رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اس کے ہاتھ کی چپاتی پسند ہے' لیکن اس نے اسے صرف چپاتی کھاتے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس دن پہلی بار اس نے آخری لقمہ اسے نہیں دیا۔ وہ کھانا کھانے کے بعد ٹیبل سے اٹھ گیا۔ وہ برتن اکٹھے کر رہی تھی' جب وہ کچھ پیپرز لیے آیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" امامہ نے کچھ حیرانی سے ان پیپرز کو دیکھا جو وہ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"بیٹھ کر دیکھ لو۔" وہ خود بھی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گیا۔

وہ بھی کچھ الجھے انداز میں پیپرز لے کر بیٹھ گئی۔

پیپرز پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"طلاق کے پیپرز ہیں یہ؟" وہ بمشکل بول سکی۔

"نہیں' میں نے اپنے وکیل سے ایک divorce deed تیار کروایا ہے۔ اگر کبھی خدانخواستہ ایسی صورت حال ہو گئی کہ ہمیں الگ ہونا پڑا تو یہ تمام معاملات کو پہلے سے کچھ خوش اسلوبی سے طے کرنے کی ایک

کوشش ہے۔"

"مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی۔" وہ اب بھی حواس باختہ تھی۔

"ڈرو مت.... یہ کوئی دھمکی نہیں ہے۔ میں نے یہ پیپرز تمہارے تحفظ کے لیے تیار کروائے ہیں۔" سالار نے اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"کیسا تحفظ؟" اسے اب بھی ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

"میں نے علیحدگی کی صورت میں فنانشل سیکورٹی اور بچوں کی کسٹڈی تمہیں دی ہے۔"

"لیکن میں تو طلاق نہیں مانگ رہی۔" اس کی ساری گفتگو اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھی۔

"میں بھی تمہیں طلاق نہیں دے رہا' صرف قانونی طور پر خود کو پابند کر رہا ہوں کہ میں علیحدگی کے کیس کو کورٹ میں نہیں لے جاؤں گا۔ فیملی کے ذریعے معاملات کو طے کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر نہ ہوئے تو میں تمہیں علیحدگی کا حق دے دوں گا اور ایسی صورت میں اگر ہمارے بچے ہوئے تو ان کی کسٹڈی تمہیں دے دوں گا۔ ایک گھر اور کچھ رقم بھی تمہیں دوں گا۔ جو بھی چیزیں اس سارے عرصے میں حق مہر' تحائف' جیولری یا روپے اور پراپرٹی کی صورت میں تمہیں دوں گا' وہ سب خلع یا طلاق' دونوں صورتوں میں تمہاری ملکیت ہوں گی' میں ان کا دعویٰ نہیں کروں گا۔"

"یہ سب کیوں کر رہے ہو تم؟" اس نے بے حد خائف انداز میں اس کی بات کاٹی۔

"میں اپنے آپ سے ڈر گیا ہوں امامہ۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"میں کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ مجھے تم پر اتنا غصہ آ سکتا ہے۔ میں نے تمہیں گھر سے نہیں نکالا' لیکن میں نے اس رات یہ پروا نہیں کی کہ تم گھر سے جا رہی ہو تو کیوں جا رہی ہو اور کہاں جا رہی ہو؟ میں اتنا مشتعل تھا کہ مجھے کوئی پروا نہیں تھی کہ تم بحفاظت کہیں پہنچی بھی ہو یا نہیں۔" وہ بے حد صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔

"اور پھر اتنے دن میں نے ڈاکٹر صاحب کی بھی بات نہیں سنی۔

I just wanted to punish you" وہ ایک لمحہ کے لیے رکا۔

"اور اس سب نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ میرا غصہ ختم ہوا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنا گر سکتا ہوں' میں تمہارے ساتھ اس طرح بی ہیو کر سکتا ہوں' لیکن میں نے کیا۔ بہرحال میں انسان ہی ہوں' تم کو ساتھی کے بجائے حریف سمجھوں گا تو شاید آئندہ بھی کبھی ایسا کروں۔ ابھی شادی کو تھوڑا وقت ہوا ہے۔ مجھے بہت محبت ہے تم سے' میں بہت خوشی خوشی یہ سارے وعدے کر سکتا ہوں تم سے' سب کچھ دے سکتا ہوں تمہیں' لیکن کچھ عرصے بعد کوئی ایسی سچویشن آ گئی تو پتا نہیں ہمارے درمیان کتنی تلخی ہو جائے۔ تب شاید میں اتنی سخاوت نہ دکھا سکوں اور ایک عام مرد کی طرح خود غرض بن کر تمہیں تنگ کروں۔ اس لیے ابھی ان دنوں' جب میرا دل بہت بڑا ہے تمہارے لیے' تو میں نے کوشش کی ہے کہ یہ معاملات طے ہو جائیں' صرف زبانی وعدے نہ کروں تمہارے ساتھ۔ میری طرف سے میرے والد کے سگنیچر ہیں اس پر' تم ڈاکٹر صاحب سے بھی اس پر سائن کروا لو۔ ڈاکٹر صاحب چاہیں تو یہ پیپرز وہ اپنے پاس رکھ لیں یا تم اپنے لاکر میں رکھوا دو۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں نے تو تم سے کوئی سیکیورٹی نہیں مانگی۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"لیکن مجھے تو دینی چاہیے نا.... میں یہ پیپرز جذبات میں آ کر نہیں دے رہا ہوں تمہیں' یہ سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کر رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں بہت پوزیسو ہوں' بہت ان سیکیور رہوں امامہ...."

وہ ایک لمحہ کے لیے ہونٹ کاٹتے ہوئے رکا۔

"اور اگر کبھی ایسا ہوا کہ تم مجھے چھوڑنا چاہو تو میں تمہیں کتنا تنگ کر سکتا ہوں، تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے، لیکن مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔" وہ پھر رک کر ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔

"تم میرا ایسا واحد اثاثہ ہو، جسے میں پاس رکھنے کے لیے فیئر اور فاؤل کی تمیز کے بغیر کچھ بھی کر سکتا ہوں اور یہ احساس بہت خوف ناک ہے میرے لیے۔ میں تمہیں تکلیف پہنچانا چاہتا ہوں نہ تمہاری حق تلفی چاہتا ہوں۔ ہم جب تک ساتھ رہیں گے، بہت اچھے طریقے سے رہیں گے اور اگر کبھی الگ ہو جائیں تو میں چاہتا ہوں ایک دوسرے کو تکلیف دیے بغیر الگ ہوں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ پیپر زہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆
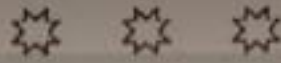
پودوں کو پانی کب سے نہیں دیا؟ اگلی صبح اس نے ناشتے کی ٹیبل پر سالار سے پوچھا۔

"پودوں کو؟" وہ چونکا۔

"پتا نہیں۔۔۔ شاید کافی دن ہو گئے۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

"سارے پودے سوکھ رہے تھے۔" وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے حیران ہوئی تھی۔ وہ جم سے آنے کے بعد روز صبح پودوں کو پانی دیا کرتا تھا۔ اس سے پہلے کبھی امامہ نے اسے اپنی روٹین بھولتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سلائس کھاتے کھاتے یک دم اٹھ کر ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ چند منٹوں کے بعد وہ کچھ پریشان سا واپس آیا تھا۔

"ہاں، مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" اس صبح وہ پودوں کو پانی دے کر آئی تھی۔

"تمہاری گاڑی فی الحال میں استعمال کر رہا ہوں۔ دو چار دن میں میری گاڑی آجائے گی تو تمہاری چھوڑ دوں گا۔" اس نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے امامہ سے کہا۔

"تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

"ورکشاپ میں ہے لگ گئی تھی۔" اس نے عام سے لہجے میں اسے کہا، وہ چونک گئی۔

"کیسے لگ گئی؟"

"پتا نہیں کیسے لگ گئی، میں نے کسی گاڑی کے پیچھے ماردی تھی۔" وہ کچھ معذرت خواہانہ انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، وہ سلائس پر مکھن لگا رہا تھا۔ وہ ایکسپرٹ ڈرائیور تھا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ کسی گاڑی کو پیچھے سے ٹکر مار دے۔

گھر میں آنے والی دراڑیں مرد اور عورت پر مختلف طریقے سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ عورت کی پریشانی آنسو بہانے، کھانا چھوڑ دینے اور بیمار ہو جانے تک ہوتی ہے۔ مرد ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتا اس کا ہر ردِ عمل اس کے آس پاس کی دنیا پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر وہ ایک رشتہ دونوں کے وجود پر اپنا عکس چھوڑتا ہے۔ مضبوط ہو تب بھی، کمزور ہو تب بھی، ٹوٹ رہا ہو تب بھی دونوں اپنی مرضی سے اس رشتے سے نکلنا چاہ رہے ہوں، تب بھی۔

امامہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

☆ ☆ ☆

اس رات وہ ڈاکٹر صاحب کے گھر اس واقعے کے بعد پہلی بار ان کے لیکچر کے لیے گیا تھا۔ امامہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ عام طور پر لیکچر والے دن وہاں آتے ہوئے امامہ کو ساتھ لے آیا کرتا تھا یا سعیدہ اماں کی طرف چھوڑ دیتا تھا جن کا گھر وہاں سے دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ جتنی دیر وہ لیکچر سنتا امامہ، سعیدہ اماں یا آنٹی کے پاس بیٹھی رہتی پھر وہ وہاں سے کھانا کھا کر آجاتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے آج بھی سالار کا استقبال کسی گرم جوشی کے بغیر صرف ہاتھ ملا کر کیا تھا۔ لیکچر کے بعد ڈنر پر بھی انہوں نے سالار کے لیے وہ پرانی توجہ نہیں دکھائی۔ ڈنر پر فرقان بھی تھا اور ڈاکٹر صاحب فرقان سے گفتگو میں مصروف رہے۔ سالار سے ہونے والی تھوڑی سی بات چیت آنٹی نے کی تھی۔ سالار سے زیادہ اس رات اس رویے کو امامہ نے محسوس کیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر سبط علی کی کسی کے لیے ایسی خفگی پہلی بار دیکھی تھی۔ وہ خفگی اس کی وجہ سے اور اس کے لیے تھی' اس کے باوجود امامہ کو ان کا رویہ سالار کو نظرانداز کرنا بری طرح چبھا تھا۔ واپس آتے ہوئے وہ پریشان تھی۔

اس رات وہ سونے کے لیے نہیں گئی تھی' ایک ناول لے کر وہ اسٹڈی روم میں آگئی تھی۔ وہ کام کرنے کے بجائے سگریٹ سلگائے بیٹھا تھا' اسے دیکھ کر اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"کمرے میں اکیلے بیٹھی بور ہوتی' اس لیے سوچا یہاں آجاؤں۔"

اس نے سگریٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے سالار کو تاویل دی۔

"تم ڈسٹرب تو نہیں ہوگے؟" اس نے سالار سے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" وہ کچھ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ راکنگ چیئر پر جا کر بیٹھ گئی اور اس نے ناول کھول لیا۔ وہ سگریٹ پینا چاہتا تھا' لیکن وہ اس کے سامنے سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ امامہ یہ جانتی تھی اور وہ اسی لیے وہاں آکر بیٹھی تھی۔

کچھ دیر وہ بے مقصد اسے دیکھتا رہا پھر اپنا لیپ ٹاپ نکال کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کام کرنے لگا تھا۔ کافی دنوں کے بعد اس رات اس نے پریشان ہو کر سگریٹ پینے کے بجائے کام کیا تھا۔ بے حد ان کمفوٹیبل ہونے کے باوجود بھی وہ پچھلے ایک ہفتے میں صرف گھر آکر ہی نہیں' آفس میں بھی اسی طرح چین اسموکنگ کر رہا تھا اور اب اسے عادتاً" طلب ہو رہی تھی۔

ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اس نے بالآخر امامہ کو مخاطب کیا۔

"تم سوجاؤ۔ کافی رات ہوگئی ہے۔" امامہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم فارغ ہوگئے ہو؟"

"نہیں' مجھے ابھی کافی کام ہے۔"

"تو پھر میں بیٹھی ہوں' ابھی تم کام ختم کرلو' میرا بھی ایک چیپٹر رہتا ہے۔"

سالار بے اختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

یعنی وہ آج رات مزید کوئی سگریٹ نہیں پی سکتا تھا۔ اس نے ایش ٹرے میں سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے کو دیکھتے ہوئے قدرے مایوسی سے سوچا۔

مزید ایک گھنٹے کے بعد جب وہ فارغ ہوا تو وہ تب تک اسی راکنگ چیئر پر سو چکی تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بے مقصد اسے دیکھتا رہا۔

اگلے چند دن اسی طرح ہوتا رہا' وہ اس کے کام کے وقت آکر اسٹڈی روم میں بیٹھ جاتی اور وہ پھر مجبوراً" کام ہی کرتا رہتا۔ ان کے درمیان آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی اور اس کا آغاز امامہ ہی کرتی تھی۔ سالار بے حد شرمندہ تھا اور اس کی خاموشی کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ وہ اس پورے واقعے سے بری طرح ہرٹ ہونے کے باوجود اسے بھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ڈاکٹر سبط علی نے اگلے ہفتے بھی سالار کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا تھا۔ اس بار امامہ کو پہلے سے بھی زیادہ رنج ہوا۔

٭ ٭ ٭

"ابو! آپ سالار سے اچھی طرح بات کیوں نہیں کرتے؟"
امامہ اگلے دن سہ پہر کو ڈاکٹر سبط علی کے آفس سے آنے کے بعد ان کے گھر آئی تھی۔
"کیسے بات کرنی چاہیے؟" وہ بے حد سنجیدہ تھے۔
"جیسے آپ پہلے بات کرتے تھے۔"
"پہلے سالار نے یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے بڑی خوش گمانیاں تھیں۔" وہ مدھم آواز میں بولے۔
"ابو! وہ برا نہیں ہے' وہ بہت اچھا ہے۔ میری غلطی تھی ورنہ شاید بات اتنی نہ بڑھتی۔ وہ بہت عزت کرتا ہے میری' بہت خیال رکھتا ہے' لیکن اب یہ سب ہونے کے بعد وہ بہت پریشان ہے۔" وہ سر جھکائے وضاحتیں دے رہی تھی۔
"آپ جب اسے اس طرح اگنور کرتے ہیں تو مجھے بہت ہتک محسوس ہوتی ہے' وہ یہ سلوک تو ڈیزرو نہیں کرتا۔ فرقان بھائی کے سامنے کتنی بے عزتی محسوس ہوتی ہوگی اسے۔" وہ بے حد رنجیدہ تھی۔
ڈاکٹر سبط علی بے ساختہ ہنس پڑے۔ امامہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔
"میں جانتا ہوں سالار برا آدمی نہیں ہے' وہ پریشان اور نادم ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ قصور اس کا زیادہ نہیں ہے اور میرا اس کے ساتھ رویہ آپ کو برا لگتا ہوگا۔" وہ حیرانی سے ڈاکٹر سبط علی کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"بیٹا! میں آپ کو اسی بات کا احساس دلانا چاہتا تھا۔ مرد جب غصے میں گھر چھوڑ کر جاتا ہے تو وہ جیسے جاتا ہے' ویسے ہی آجاتا ہے۔ اس کے گھر سے جانے پر' اس کی اپنی عزت پر حرف آتا ہے نہ اس کی بیوی کی عزت پر حرف آتا ہے' لیکن عورت جب غصے میں گھر سے نکلتی ہے تو اپنی اور مرد دونوں کی عزت لے کر باہر آجاتی ہے۔ وہ واپس آجائے' تب بھی مرد کی اور عورت' دونوں کی عزت کم ہوجاتی ہے۔ جھگڑا ہوا تھا کوئی بات نہیں' اس نے غصے میں برا بھلا کہا' جانے کا کہہ دیا۔ آپ گھر کے کسی دوسرے کمرے میں چلی جاتیں وہ ہاتھ پکڑ کر تو نہیں نکال رہا تھا۔ صبح ہوتی اس کا غصہ ٹھنڈا ہوجاتا۔ ایک آدھ دن میں بات ختم ہوجاتی' اتنا بڑا مسئلہ نہ بنتا۔" وہ رسانیت سے اسے سمجھا رہے تھے۔
"مرد کے دل میں اس عورت کی عزت کبھی نہیں ہوتی' جسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر کی دہلیز پار کرنے کی عادت ہو اور یہ دوسری بار ہوا ہے۔" اس نے چونک کر ڈاکٹر صاحب کو دیکھا وہ مسکرا رہے تھے۔
"یاد ہے شادی کے دوسرے دن بھی آپ ناراض ہوکر سعیدہ اماں کے پاس رہ گئی تھیں۔"
امامہ نے نادم ہوکر سر جھکا لیا۔ اسے یہ واقعہ یاد نہیں رہا تھا۔
"مرد کے ساتھ انا کا مقابلہ کرنے والی عورت بے وقوف ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنا دشمن بنالیتی ہے۔ اکھڑپن اور ضد کرکے مرد سے بات منوائی جاسکتی ہے' اس کے دل میں اپنی محبت اور عزت نہیں بڑھائی جاسکتی۔ اللہ نے آپ کو بہت محبت کرنے والا اور بہت سی خوبیوں والا شوہر دیا ہے۔ اس نے آپ کی عیب جوئی نہیں کی' بلکہ معذرت کرکے آپ کو ساتھ لے گیا۔ بہت کم مردوں میں یہ صفت ہوتی ہے' تو اگر کبھی کوئی کوتاہی ہوجائے اس سے یا کوئی گلہ ہو تو اس کی مہربانیاں یاد کرلیا کریں۔" وہ سر جھکائے خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔
"اگر میں یہ سب باتیں اس وقت آپ کو سمجھاتا جب آپ یہاں آئی تھیں تو آپ میری بات کبھی نہ سمجھتیں۔ آپ کو لگتا آپ کے اپنے والدین ہوتے تو وہ اس سچویشن میں آپ کو سمجھاتے نہیں صرف سپورٹ کرتے۔ اس

لیے یہ باتیں تب نہیں سمجھائیں میں نے۔"
وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ اسے اس وقت یہ سب کچھ کہتے تو وہ بُری طرح دل برداشتہ ہوتی۔ اس نے کچھ کہے بغیر وہ پیپرز نکال کر انہیں دیے جو سالار نے اسے دیے تھے۔
"یہ سالار نے دیے ہیں مجھے' لیکن مجھے ضرورت نہیں ہے ان کی' آپ اسے بتادیں۔"
ڈاکٹر سبط علی بے حد گہری مسکراہٹ کے ساتھ وہ پیپرز پڑھتے رہے' پھر ہنس پڑے۔
"اس نے یہ بہت مناسب اور حکمت والا کام کیا ہے۔ اپنے پاس آنے والے اکثر مردوں کو' میں ان معاملات کے حوالے سے' اسی طرح کے تصفیے کا کہتا ہوں اور کئی مردوں نے کیا بھی ہے۔ سالار کے ذہن میں بھی وہی چیز ہے' لیکن اس نے آپ کے لیے کچھ زیادہ کردیا ہے۔"
وہ پیپرز پر نظر ڈالتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔
"لیکن میں..." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔
"آپ بھی اس کا کچھ زیادہ خیال رکھا کریں۔"
وہ اسے پیپرز لوٹا رہے تھے' یہ جیسے گفتگو ختم کرنے کا اشارہ تھا۔

☼ ☼ ☼
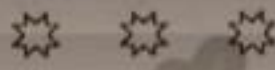
اس دن وہ پورا راستہ ڈاکٹر صاحب کی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ انہوں نے اسے کبھی نصیحتیں نہیں کی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح کی باتیں کی تھیں۔ کوئی نہ کوئی غلطی انہوں نے اس کی بھی محسوس کی تھی کہ اس طرح اسے سمجھانے لگے تھے۔ وہ کھانا پکاتے ہوئے بھی ان کی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی۔
"تم ڈاکٹر صاحب کے پاس گئی تھیں؟" سالار نے شام کو گھر آتے ہی اس سے سوال کیا۔
"ہاں۔ تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ کھانے کے برتن ٹیبل پر لگا رہی تھی۔
"انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔" وہ گردن سے ٹائی نکالتے ہوئے بولا۔
"اوہ۔ کچھ کہا انہوں نے تم سے؟" اس نے سالار کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں۔ بس ویسے ہی کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔"
امامہ کو محسوس ہوا وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح کپڑے تبدیل کرنے کے لیے بیڈروم میں جانے کے بجائے' ٹائی نکال کر بے مقصد کچن کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا' ڈش میں پڑا سلاد کھانے میں مصروف تھا۔
"آج کیا ہے کھانے میں؟" شادی کے اتنے مہینوں میں' آج پہلی دفعہ اس نے یہ سوال کیا تھا۔
امامہ نے اسے بتایا لیکن وہ حیران ہوئی تھی۔
"اور سویٹ ڈش؟" یہ سوال پہلے سے بھی زیادہ اچنبھالے کر آیا تھا۔ وہ میٹھے کا شوقین نہیں تھا۔
"کل چائنیز بنانا۔" وہ ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ کھانے کے معاملے میں فرمائشیں کرنے کا کہاں عادی تھا۔
"کل بھی چائنیز تھا۔" فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اس نے سادہ لہجے میں سالار کو یاد دلایا۔ وہ گڑبڑا گیا۔
"ہاں' کل بھی چائنیز تھا کوئی بات نہیں' کل پھر چائنیز سہی۔
آئی مین۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔" امامہ نے صرف سرہلادیا۔
وہ اب فریج سے چپاتیاں بنانے کے لیے آٹا نکال رہی تھی۔
"Aqua Blue کلر تم پر اچھا لگتا ہے۔" وہ فریج کا دروازہ کھولے جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ اس نے بے حد

حیرت سے سالار کو دیکھا۔

"آ۔آ۔ایکوابلیو نہیں ہے یہ؟" اس کی آنکھوں کے تاثر نے اسے گڑبڑا دیا تھا۔

"سالار! تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" امامہ نے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟ مجھے لگا یہ Aqua blue ہے۔"

"یہ ایکوابلیو ہی ہے۔ اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں کہ مسئلہ کیا ہے؟"

وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر کچھ کہے بغیر وہ آگے بڑھا اور اسے ساتھ لگالیا۔

"Just Wanted to thank you" (صرف تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا) امامہ نے اسے کہتے سنا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کس چیز کے لیے شکریہ ادا کررہا تھا۔

"And I am realy realy sorry I mean it"

(اور آئی ایم ریئلی سوری۔ آئی مین اٹ)

وہ اب دوبارہ معذرت کررہا تھا۔

"آئی نو۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"I Love You" امامہ کا دل بھر آیا۔

ان کی شادی شدہ زندگی میں صرف پچھلے دس دن ایسے تھے جس میں اس نے ایک بار بھی سالار سے یہ جملہ نہیں سنا تھا۔ پہلے ڈاکٹر سبط علی کے گھر پر ہونے کی وجہ سے دونوں کے درمیان رابطہ نہیں تھا اور بعد میں شاید سالار اس سے یہ کہنے کی ہمت نہیں کرپا رہا تھا۔ وہ اگر اس سے فون پر یہ نہیں کہہ پاتا تھا تو پھر ایس ایم ایس پر کچھ نہ کچھ لکھ کر بھیجتا رہتا تھا۔

"Wife""Woman""Sweetheart""Darling""Honey""Dear"
"Mine""Yours""You""Best""Waiting""Missing""Betterhalf"
"Hoping""Thinking""Mrs""Partner""Friend""Beauty"۔

ڈیر ہنی' ڈارلنگ' سویٹ ہارٹ' ویٹنگ' مسنگ' بیٹر ہاف' وائف' وومن' تھنکنگ' مسز' پارٹنر' فرینڈ' ہوپنگ۔

وہ ایک لفظی ایس ایم ایس شروع میں اسے بری طرح جھنجلا دیتے تھے۔

"مجھے کیا پتا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ پورا جملہ کیوں نہیں لکھ سکتے تم؟ یقیناً" کوئی کلائنٹ ہوتا ہوگا تمہارے پاس اور تم وقت بچانے کے لیے ایسے میسجز بھیجتے ہو۔"

"اگر کلائنٹ کے سامنے بیٹھ کر مسنگ لکھ سکتا ہوں تو مسنگ یو بھی لکھ سکتا ہوں۔" اس نے کہا تھا۔ "تو پھر کیوں نہیں لکھتے؟"

"اس طرح تم میرے ایس ایم ایس کو کچھ زیادہ دھیان سے پڑھتی ہوگی۔" اس نے لوجک دی۔ اس نے دل میں اعتراف کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اس ایک لفظ کے بارے میں ضرور سوچتی تھی۔ صرف ایک جملہ تھا جو وہ ہمیشہ پورا لکھتا تھا۔

"آئی لو یو۔"

"خالی لو کیوں نہیں لکھ دیتے تم؟ یہ کیوں پورا لکھتے ہو؟" امامہ نے نوٹس کیا تھا۔

"بتاؤں گا تمہیں کبھی۔" سالار نے اسے ٹالا تھا وہ اسے بتا نہیں سکا کہ وہ لو کے لفظ پر خائف تھا۔ اس کے ذہن میں اگر امامہ ابھرتی تھی تو امامہ کے ذہن میں "کون" ابھرتا ہوگا۔

اور اب وہ one-word riddles غائب ہو گئی تھیں تو اسے ان کی قدر و قیمت کا احساس ہوا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس سے اس ستائش اور اظہار محبت کی توقع رکھنے لگی تھی' اور جب وہ سب کچھ غائب ہوا تو وہ فنی اور سلی باتیں اس کے لیے بہت سنجیدہ ایشو ہو گئی تھیں۔

وہ اس سے الگ ہو گیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ AquaBlue ہے؟"

اپنی پوروں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے امامہ نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔

"تم ہمیشہ عجیب نام لیتی ہو کلرز کے۔ AquaBlue واحد عجیب نام تھا جو مجھے Blue کلر کے لیے اس وقت یاد آیا۔" اس نے سادہ لہجے میں کہا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی' وہ کلر بلائنڈ تھا اسے اب اندازہ ہو چکا تھا۔

"Very Smart!" اس نے جیسے اسے داد دی۔

"You thing so" وہ ہنسا۔

"Yes I do"

"Thank You Then" ______ وہ کہتا ہوا کچن سے نکل گیا تھا۔

کچن کے وسط میں کھڑی وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ دنیا کا سب سے عجیب رشتہ تھا۔ دور ہوں تو دیواروں کا جنگل اگ آئے' پاس ہوں تو کاغذ جیسی دیوار بھی نہ رہ پائے۔ ناراض ہو تو گلوں کے لیے سمندر بھی کم پڑ جائے اور محبت ہو تو گلہ نام کی چیز صحرا میں پانی بن جائے۔ غصہ ہو تو ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ ہو اور غصہ ختم ہو تو ایک دوسرے کے بغیر قرار مشکل ہو جائے۔ وہ بھی شوہر اور بیوی کے رشتے میں منسلک ہو جانے کے بعد اس تعلق کے سارے نشیب و فراز سے گزر رہے تھے اور پچھلے دس دن اس کی زندگی کا پہلا نشیب تھا۔

✿ ✿ ✿
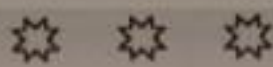
"کیا لوگی تم؟" سالار نے مینیو کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں تو Shrimps کی ڈشز میں سے کوئی ٹرائی کروں گا۔ تم دیکھ لو۔ تم کو کیا چاہیے؟" وہ اسلام آباد میں دوسری بار باہر کھانا کھانے نکلے تھے اور احتیاطاً انہوں نے ایک نئے بنے ہوئے چائنیز ریسٹورنٹ کا انتخاب کیا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کی تمام احتیاط کم از کم آج ان کے کام نہیں آئے گی۔

پندرہ منٹ بعد کھانا سرو ہو گیا اور وہ کھانا کھانے لگے تھے۔ کھانا کھانے کے دوران ویٹر نے ایک چٹ لا کر سالار کو دی۔ اس نے کچھ حیرانی سے اس چٹ پر نظر ڈالتے ہوئے اس پر لکھی تحریر پڑھی۔

"آپ یہ جگہ فوراً چھوڑ دیں۔"

سالار نے کچھ حیرانی سے سر اٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ویٹر سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا' ایک کرنٹ جیسے اسے چھو گزرا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ کیا تھا۔

بے حد برق رفتاری سے چند کرنسی نوٹ والٹ سے نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے ویٹر کو بل کلیئر کرنے کا کہا۔ امامہ حیرانی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کھانا چھوڑ دو۔ ہمیں جانا ہے۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟" وہ کچھ نہ سمجھی تھی کیونکہ انہیں کھانا شروع کیے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے۔

"امامہ! یہ تمہیں باہر جا کر بتاتا ہوں بیگ لے لو اپنا۔" وہ کرسی دھکیلتا ہوا پلٹا اور پھر ساکت ہو گیا۔ انہیں نکلنے

میں دیر ہو گئی تھی۔ اس نے کچھ فاصلے پر ہاشم مبین کے ساتھ وسیم اور امامہ کے بڑے بھائی کو دیکھا اور وہ ان ہی کی طرف آ رہے تھے۔

وہ برق رفتاری سے امامہ کی کرسی کی طرف آیا۔ امامہ ٹیبل کے نیچے اپنے قدموں کے قریب رکھا ہوا اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔ اس نے ابھی انہیں آتے نہیں دیکھا تھا۔ سالار کے اپنے قریب آنے پر بیگ اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور کھڑا ہونے پر اس نے بھی اپنی فیملی کے افراد کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ ایک لحہ میں اس کا خون خشک ہو گیا۔ سالار نے کچھ کہنے کے بجائے اسے اپنی اوٹ میں کیا تھا۔ ان کی ٹیبل کھڑکی کے پاس تھی اور امامہ کے عقب میں اب کھڑکیاں تھیں۔

"سامنے سے ہٹو!" ہاشم مبین نے پاس آتے ہی بلند آواز میں اس سے کہا تھا۔

آس پاس ٹیبلز پر بیٹھے لوگ یک دم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ نہ صرف کسٹمرز بلکہ دوسری ٹیبلز پر سرو کرنے والے ویٹرز بھی۔

آخری چیز جو سالار وہاں توقع کر سکتا تھا وہ ایک پبلک پلیس پر ایسا ہی سین تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ گھر چلیں وہاں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"

سالار نے بے حد تحمل کے ساتھ ہاشم سے کہا تھا۔

اس نے جواباً" ایک گالی دیتے ہوئے اسے گریبان سے پکڑا اور کھینچ کر ایک طرف ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے وسیم اور عظیم سے امامہ کو وہاں سے لے جانے کے لیے کہا۔ ہاشم کے برعکس وسیم اور عظیم دونوں کچھ متامل تھے۔ وہ جانتے تھے اس طرح زبردستی اس ریسٹورنٹ سے کسی کو ہال سے باہر نہیں لے جا سکتے کیونکہ سیکیورٹی کا سامنا کیے بغیر امامہ کو بحفاظت وہاں سے لے جانا مشکل تھا۔

وہ سالار کے عقب میں اس کی شرٹ پکڑے تھر تھر کانپتی ہوئی تقریباً" اس سے چپکی ہوئی تھی جب ہاشم نے سالار کا گریبان پکڑتے ہوئے اسے کھینچا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)